فصل دوم

وقت کی پابندی

اے عزیز! جس قدر ممکن ہو اور آپ کے مقدور میں ہو، آپ بھی مناجات کے اس وقت کو غنیمت جانئے اور اس کے قلبی آداب بجالایئے اور اپنے دل کو سمجھایئے کہ آخرت کی ابدی زندگی کا سرمایہ اور نفسانی فضائل کا سرچشمہ اور لامحدود کرامتوں کا راس المال حق تعالیٰ کے ساتھ موانست ومحبت اور اس سے مناجات ہے، خصوصا نماز جو جلال و جمال حق کے ہاتھوں سے بنا ہوا ایک روحانی معجون ہے اور تمام عبادات میں سب سے زیادہ جامع اور کامل ہے۔ لہٰذا امکان بھر اوقات نماز کی محافظت کیجئے اور اوقات فضیلت میں اس کی ادائیگی کی عادت ڈالئے، کیونکہ اس میں ایسی نورانیت ہے جو دوسرے اوقات میں نہیں ہے۔ اپنے قلب اشتغالات کو ایسے اوقات میں کم کر دیا کیجئے، بلکہ ختم ہی کر دیا کیجئے۔ یہ بات تب پیدا ہوگی جب آپ اپنے اوقات کو منظم و معین رکھیں گے اور نماز کے لئے جو آپ کی حیات ابدی کی ذمہ دار ہے، ایک ایسا خاص وقت معین کریں گے جس میں نماز کے سوا کوئی دوسرا کام نہ ہو اور قلب کو کسی اور چیز سے تعلق نہ ہو اور نماز کو دوسرے امور میں خارج نہ سمجھیں تاکہ قلب حاضر اور پرسکون رہے۔

اب ہم احوال معصومین علیہم السلام کے بارے میں احادیث کا بہ قدر ضرورت ذکر کرتے ہیں تاکہ ان عظیم شخصیتوں کے حالات پر غور کرنے کا موقع ملے، بلکہ ایک وارننگ ملے اور شاید قلب کو اس موقف کی عظمت و اہمیت اور اس مقام کے خطرات کا احساس ہو سکے اور خواب غفلت سے ہوش میں آئے۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض ازواج سے مروی ہے کہ (رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے باتیں کرتے تھے اور ہم ان سے باتیں کرتے تھے، جب نماز کا وقت آتا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے نہ وہ ہم کو پہچانتے ہیں اور نہ ہم ان کو۔ اس

اشتعال کی وجہ سے جو خدا سے پیدا ہو جاتا)[1]

اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے بارے میں روایت ہے کہ (جب وقت نماز آتا تھا تو آپؑ مضطرب ہو جاتے تھے اور آپؑ کے بدن میں لرزہ پیدا ہو جاتا تھا۔ حضرتؑ سے پوچھا گیا کہ: یا امیر المومنینؑ آپؑ کی یہ حالت کیوں ہے؟ فرماتے تھے: اس امانت کی ادائیگی کا وقت آ گیا جو خدائے تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں پر پیش کی اور انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے خائف ہو گئے۔[2]

اور سید ابن طاووسؒ نے کتاب (فلاح السائل) میں نقل کیا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام جب وضو کرتے تھے تو آپؑ کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا اور آپؑ کے جوڑ بند کانپنے لگتے تھے۔ اس کا سبب آپؑ سے پوچھا، تو فرمایا: اس شخص کے لئے یہی مناسب ہے کہ اس کا رنگ بدل جائے اور جوڑ جوڑ کانپنے لگے جو صاحب عرش کی بارگاہ میں کھڑا ہو۔[3]

اور حضرت امام حسن علیہ السلام کے بارے میں بھی یہی منقول ہے۔[4]

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے بارے میں روایت ہے (جب وضو کا وقت ہوتا تھا تو آپؑ کا رنگ زرد ہو جاتا تھا۔ عرض کیا گیا: یہ کیسی حالت ہے جو وضو کے وقت آپ پر طاری ہو جاتی ہے؟ آپؑ فرماتے تھے: کیا تم نہیں جانتے کہ میں کس کے سامنے کھڑا ہوں؟[5]

ہم بھی اگر تھوڑا غور کریں اور اپنے قلب محجوب و مہجور کو سمجھائیں کہ اوقات نماز حضرت ذوالجلال کی بارگاہ قدس میں حاضری کے اوقات ہیں جو مالک الملک اور عظیم مطلق حق تعالیٰ نے اپنی بارگاہ میں حاضری کے لئے مخصوص کئے ہیں اور بندۂ کمزور وضعیف کو اپنی مناجات کے لئے بلایا ہے اور اپنے خانہ عزت وکرامت میں حاضری کی اجازت دی ہے تاکہ ابدی سعدتوں اور دائمی مسرتوں کو حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کریں۔ ہم نماز کا وقت داخل سے اپنی معرفت کے موافق بہجت وسرور کا احساس ضرور کرتے ہیں، لیکن اگر قلب کو اس مقام کی عظمت اور اس کے خطر وخوف کا شعور ہو جائے تو جتنا عظمت کو سمجھ لیں گے اسی قدر خوف خدا وخشیت الٰہی حاصل ہو گی اور چونکہ اولیاء اللہ کے قلوب مختلف اور ان کے حالات متفاوت ہیں اس لئے تجلیات لطفیہ وقہریہ اور عظمت ورحمت کے استشعار کے مطابق کبھی ان کو شوق ملاقات

---

[1] مستدرک الوسائل، کتاب الصلاۃ، ابواب افعال الصلاۃ، باب ۲، حدیث ۱۷

[2] مستدرک الوسائل، کتاب الصلاۃ، ابواب افعال الصلاۃ، باب ۲، حدیث ۵، ۱۴

[3] سید ابن طاووسؒ نے کتاب، فلاح السائل، میں کتاب، الؤلؤیات، دراحوال امام حسن بن علی علیہما السلام سے نقل کیا ہے

[4] بحار الانوار، ج ۷۷، ص ۳۴۶، کتاب الطہارۃ، ابواب الوضوء، باب ۴۳، حدیث ۴۳ نقل از، فلاح السائل

[5] مستدرالوسائل، کتاب الصلاۃ، ابواب افعال الصلاۃ، باب ۲، حدیث ۳۵

اور استشعار رحمت و جمال بہجت و مسرت سے دوچار کرتا ہے اور وہ (ارحنا یا بلال)[1]

کہتے ہیں اور کبھی تجلیات عظمت وقہر وسلطنت ان کو خود سے بے خود بنا دیتا ہے اور وہ کانپ جاتے ہیں۔

الغرض، اے ناتواں اوقات کے آداب قلبی یہ ہیں کہ خود کو مالک دنیا و آخرت کے حضور میں جانے اور حق تعالیٰ سے خطاب اور کلام کے لئے تیار کرو۔ اس کے لئے اپنی ناتوانی و بے چارگی اور ذلت و بے نوائی پر ایک نظر ڈالو اور ایک نظر اس ذات مقدس حق تعالیٰ کی عظمت و بزرگی اور جلال و کبریائی پر کرو جس کی بارگاہ میں انبیائے مرسلین اور ملائکہ مقربین خود سے بے خود ہوجاتے ہیں اور اپنی عاجزی اور ذلت ومسکنت کا اعتراف کرتے ہیں۔ جب یہ نظر کو لوگے اور اپنے دل کو سمجھالوگے تو دل میں خوف کا احساس پیدا ہوگا اور خود کو اور اپنی عبادتوں کو ناچیز سمجھے گا اور ایک نظر اس ذات مقدس کی رحمت اور کمال مہربانی کی وسعت اور رحمانیت کی ہمہ گیری پر بھی نظر ڈالو کہ اس نے اپنے ایک حقیر و ناچیز بندہ کو تمام آلودگیوں اور کمزوریوں کے باوجود اپنی پاک و پاکیزہ بارگاہ میں آنے کی اجازت دی ہے اور اسے ملائکہ کو بھیج کر کتابیں نازل کرکے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی بعثت سے معزز فرما کر اپنی مجلس انس میں آنے کی دعوت دی ہے۔ حالانکہ خود بے چارے ممکن میں وہاں جانے کی کوئی استعداد نہیں ہے اور اس دعوت وحضور سے خود اس کو، معاذ اللہ، یا اس کے ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کے لئے کوئی فائدہ متصور نہیں ہوتا۔ البتہ قلب کو اس توجہ سے ایک انس حاصل ہوتا ہے اور اسے رجاء و امید کی ایک غیبی روشنی ملتی ہے۔ لہٰذا خود کو خوف وبیم اور رجاء و رغبت کے قدموں سے حاضری کے لئے تیار کرنا چاہئے اور حاضری کی مقدار و معیار دونوں کو فراہم کرنا چاہئے۔ جن میں سب سے عمدہ یہ ہے کہ شرمسار دل، خوفزدہ قلب، انکسار و ذلت اور ضعف و بے چارگی کا احساس لئے ہوئے وارد محضر ہو اور خود کو کسی طرح سے بھی لائق محضر اور لائق عبودیت نہ سمجھے اور عبادت وعبودیت کے لئے حضرت احدیت کے لطف عام وفضل تام کو اذن دخول سمجھے، کیونکہ اگر اپنی ذلت کو اپنا نصب العین بنائے اور ذات حق کے لئے دل و جان سے تواضع کا مظاہرہ کرے اور اپنے کو اور اپنی عبادت کو ناچیز اور بے قیمت سمجھے تو حق تعالیٰ کا لطف شامل حال ہوگا اور وہ تمہیں رفعت و بلندی عطا فرمائے گا اور خلعت کرامت سے سرفراز فرمائے گا۔ **(آمین یارب العالمین)**

---

[1] الحجۃ البیاضاء فی تہذیب الاحیاء، ج ۱، ص ۳۷۷، اور مولانا رومی، مثنوی میں کہتے ہیں :

جان کمال است وندائے اوکمال
مصطفیٰ گویان، ارحنا یا بلال — مولانا رومیؒ
جان کمال، اس کی ندا بھی ہی کمال
کہتے ہیں احمدؐ، ارحنا یا بلال

مقصد پنجم

استقبال کے بعض آداب

اس میں دو فصلیں ہیں

فصل اول

استقبال کے مجموعی آداب

معلوم رہے کہ استقبال ظاہری طور پر دو چیزوں کا مجموعہ ہے:

ایک مقدمی، یعنی تشتت وانتشار پیدا کرنے والی تمام جہتوں سے ظاہری رخ ہٹالینا۔

دوسری نفسی، یعنی چہرہ کعبہ کے سامنے رکھنا جو ام القریٰ اور فرش زمین کا مرکز ہے۔

اس صورت کا ایک باطن اور باطن کا ایک سر، بلکہ اسرار ہیں اور صاحبان اسرار غیبیہ باطن روح کو غیب وشہادت کی کثرتوں کی تشتت وانتشار پیدا کرنے والی جہتوں سے منصرف کرتے ہیں اور سرروح کے رخ کو احدی التعلق (ایک ہی سے تعلق) کرتے ہیں اور تمام کثرتوں کو سراحدیت جمع میں فانی کر دیتے ہیں۔ یہ سرروی جب قلب میں اتر جاتا ہے تو حق تعالیٰ اسم اعظم میں فانی و مضمحل ہو جاتی ہے۔اس مقام پر قلب کا رخ اسم اعظم کے حضور میں ہوتا ہے اور باطن سے جب ظاہر ملک میں ظہور کرتا ہے تو غیر حق کو فانی کر دینے کا نقشہ عالم ملک کے شرق وغرب سے روگردانی ہے اور جمع کے حضور کی طرف توجہ کا نقشہ بساط ارض کے مرکز جو زمین میں ید اللہ ہے، کی طرف توجہ ہے۔

لیکن سالک الی اللہ کے لئے، جو ظاہر سے باطن کی طرف سیر کر رہا ہے اور علم سے سر کی طرف ترقی کر رہا ہے، ضروری ہے کہ برکات ارضی کی طرف اس صوری توجہ کو اور متفرق جہات کے ترک کو حالات قلبیہ کا وسیلہ قرار دے اور بے معنی صورت ہی پر قناعت کر کے نہ رہ جائے، بلکہ دل کو جو حضرت حق کی توجہ کا مرکز ہے، متفرق جہات سے جو اصلی بات ہیں، موڑ کر قبلہ حقیقت کی طرف لگائے جو برکات آسمان وزمین کی اصل وبنیاد ہے، غیر وغیرت کی راہ ورسم کو بیچ میں

نہ آنے دے تاکہ کسی حد تک۔ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ [1] (میں نے اپنا رخ اس کی طرف کیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا) کے راز تک پہنچے۔

عالم غیب اسمائی کے تجلیات وانوار سے اسکے دل کو ایک نمونہ مل جائے، مختلف جہات اور متفرق کثرات برق الٰہی سے خاکستر ہو جائیں اور حق تعالی کی طرف سے اس کی دستگیری ہو اور باطن قلب سے چھوٹے بڑے بت دست ولایت مآبی سے شکستہ ہو کر گر جائیں، چونکہ اس داستان کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اس لئے ہم اسی پر اکتفا کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔

---

[1] سورہ انعام، آیت ۷۹

فصل دوم

استقبال کے بعض قلبی آداب

اے سالک الی اللہ! جب اپنے چہرہ ظاہر کو آپ عالم کی متفرق جہتوں سے موڑ چکے اور ایک نقطہ کی طرف توجہ کر چکے تو اللہ کی فطرتوں میں سے دوفطرتوں کا آپ نے دعویٰ کیا جو دست غیب نے آپ کی ذات کے خمیر میں پنہان کی ہیں اور اللہ نے اپنے دست جمال وجلال سے آپ کی طینت کو انہیں سے خمیر کیا ہے اور ان دوفطری حالتوں کو آپ نے ظاہری و دنیاوی صورت میں ظاہر کیا اور ان دو الٰہی فطرتوں کے نور سے محجوب نہ ہونے کا ثبوت پیش کیا کہ ظاہر کو غیر سے ہٹا کے قبلہ کی طرف توجہ کی جو دست خدا اور قدرت خدا کا محل ظہور ہے۔

وہ دو الٰہی فطرتیں، ایک نقص و ناقص سے برائت، دوسرے کمال و کامل سے عشق' ہیں اور یہ دونوں جن میں ایک اصلی ذاتی اور دوسری تبعی ظلی ہے۔ ان فطرتوں میں ہیں جن سے بلا استثناء تمام افراد بشر کا خمیر ہوا ہے اور تمام سلسلہ ہائے بشری میں یہ دوفطرتیں موجود ہیں، چاہے وہ عقائد اور اخلاق اور طبیعت و مزاج میں مختلف ہوں یا جگہ اور عادات کے اعتبار سے جیسے دیہاتی اور شہری، وحشی اور متمدن، عالم اور جاہل، مذہبی اور مادہ پرست اور چاہے خود ان فطرتوں سے محجوب ہوں کہ کمال و نقص اور کامل و ناقص کی تشخیص میں اختلاف کریں۔

ایک خونخوار وحشی اور آدم کش انسان ایسی کو کمال سمجھتا ہے کہ لوگوں کی جان اور ان کی عزت نفس پر غلبہ کرے۔ وہ خونخواری و آدم کشی ہی کو کمال سمجھتا ہے اور اسی میں ساری زندگی گزار دیتا ہے اور دنیا طلب اور حب جاہ و مال رکھنے ولا جاہ و مال کو کمال سمجھتا ہے اور اسی کا دلدادہ ہے۔ مختصر یہ کہ جس کا جو مقصد ہوتا ہے وہ اپنے اسی مقصد کو کمال اور جو اس میں کامیاب ہوا سے کامل سمجھتا ہے اور اس سے عشق رکھتا ہے اور اس کے غیر سے متنفر ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور علمائے ربانی

اورارباب معرفت اس لئے آئے تاکہ لوگوں کو حجاب سے نکالیں اوران کے نور فطرت کو جہالت کے اندھیروں سے نجات دلائیں اوران کو کمال وکامل کے معانی سمجھائیں، کیونکہ اگر یہ مشخص ہو جائے کہ کمال کیا ہے اور کامل کیا ہے تو اس کی طرف توجہ دلانے اور غیر (نقص اور ناقص) کو ترک کرانے کے لئے دعوت وتبلیغ کی احتیاج نہیں رہتی، کیونکہ نور فطرت خود سب سے بڑا الٰہی راہنما ہے جو تمام انسانی طبقات میں موجود ہے۔

اس الٰہی معجون، یعنی نماز، میں جو قرب الٰہی کی معراج ہے، استقبال قبلہ اور ایک مرکزی نقطہ کی طرف توجہ اورمتفرق سمتوں سے روگردان ہونا اور ہاتھ کھینچ لینا فطرت کے بیدار ہونے اورحجابوں سے نور فطرت کے باہر آنے کا دعویٰ ہے۔ یہ کاملین اوراہل معرفت کے لئے حقیقت کا درجہ رکھتا ہے اورہم اہل حجاب کے لئے اس کا ادب یہ ہے کہ ہم اپنے دل کو یہ سمجھائیں کہ تمام دار وجود میں کامل علی الاطلاق کی ذات پاک کے سوا کوئی کمال وکامل نہیں ہے۔ وہی ذات مقدس ایسا کمال ہے جس میں کوئی نقص نہیں اور ایسا جمال ہے جس میں کوئی عیب نہیں، ایسی فعلیت ہے جس میں کسی قسم کا شائبہ نہیں۔ ایسی وقت خیر ہے جس میں شر کی گنجائش نہیں۔ ایسا نور ہے جس میں ظلمت کے لئے راہ نہیں اور تمام دار وجود میں جو کچھ کمال و جمال، خیر وعزت، عظمت ونوریت اور فعلیت وسعادت پائی جاتی ہے، سب اسی ذات مقدس کے نور جمال کا فیض عام ہے۔ کوئی بھی اس ذات پاک کے ذاتی کمال میں شریک نہیں ہے اورکسی بھی موجود میں جو کچھ جمال و کمال اورنور وبہاء ہے وہ اسی کے جمال وکمال اورنور وبہاء سے ہے۔ مختصر یہ کہ اس کے جمال مقدس کا جلوۂ نور ہی عالم کو نورانی بنائے ہوئے ہے اور اسی نے اسے حیات اورعلم وقدرت بخشی ہے۔ ورنہ سارا عالم وجود عدم کی ظلمت، فنا کے پردے اور بطلان کی گہرائیوں میں چلا جاتا، بلکہ جس کا دل اس کی معرفت کے نور سے روشن ہے وہ بھی جمال جمیل کے نور کے علاوہ ہر چیز کو ازل سے ابد تک باطل و ناچیز اورمعدوم سمجھے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب لبید شاعر کا یہ شعر سنا کہ:

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ
وَ كُلُّ نَعِيمٍ لَا مَحَالَةَ زَائِلٌ[1]

ہوشیار ہو خدا کے سوا ہر شے باطل ہے اور ہر نعمت کا زائل ہونا ناگزیر ہے۔

---

[1] بحار الأنوار (ط- بیروت) / ج 22 / 267 / باب 5 أحوال عشائرہ وأقرباءہ وخدمہ وموالیہ لاسیما حمزۃ وجعفر والزبیر وعباس وعقیل زائد علی ما مرفی باب نسبہ ص..... ص: 247

آپؑ نے فرمایا: اہل عرب نے جتنے شعراب تک کہے ہیں یہ شعر ان میں سب سے زیادہ سچا ہے،[1]
جب تم اپنے قلب کو سارے دار وجود کا باطل ہونا اور ذات مقدس کا کامل ہونا سمجھا تو اب اپنے قلب کا رخ قبلہ حقیقی اور جمیل مطلق کے عشق کی طرف موڑنے اور جلوہ ذات مقدس کے علاوہ تمام دار وجود سے نفرت دلانے کے لئے فکری اعمال کی احتیاج نہیں ہے، بلکہ خود اللہ کی بنائی ہوئی فطرت انسان کو فطری اور جبلی دعوت دے گی اور "وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ"[2] (ہر طرف سے ہٹ کر اپنا رخ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے) انسان کی لسان ذات وقلب اور زبان حال بن جائے گی اور "لَآ أُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ"[3] (غروب کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہوں) انسان کی فطری زبان ہو جائے گی۔
لہٰذا اے فقیر! یاد رہے کہ عالم کا وجود وعدم برابر ہے۔ یہ زوال پذیر، رو بہ فنا اور باطل ہے۔ کسی موجود کے پاس اسکے اپنی کوئی چیز نہیں ہے۔ اس کی ذات میں کوئی جمال و بہا اور کوئی نور وضیا نہیں ہے، بلکہ جمال و بہا ذات حق کے لئے مخصوص ہے اور وہ ذات پاک جس طرح الوہیت اور واجب الوجود ہونے میں متفرد ہے اسی طرح جمال و بہا وکمال میں بھی متفرد ہے، بلکہ خوا اپنے وجود میں متفرد ہے جبکہ دوسروں کی پیشانی پر ذاتی عدم او بطلان کی ذلت ثبت ہے۔ لہٰذا ان کو جو نور فطرت الٰہی کا مرکز ہے، باطل اور معدوم ہونے والی اور ناقص چیزوں کی مختلف اور متفرق جہتوں سے ہٹا لو اور مرکز جمال وکمال سے لگا لو۔ تمہارے قلب صافی اور ضمیر باصفا میں تمہاری فطرت کی زبان وہ ہو جسے عارف شیرازی نے یوں بتایا ہے:

در ضمیر ما نمی گنجد سوائے دوست کس
ہر دو عالم را بہ دشمن دہ کہ مارا دوست بس

سوائے دوست اس دل میں سما تا ہی نہیں کوئی دو عالم غیر کو دے دو ہمیں ایک دوست کافی ہے۔

وصل

عن الصادق علیہ السلام قال: إِذَا اسْتَقْبَلْتَ الْقِبْلَةَ فَآيِسْ مِنَ الدُّنْيَا وَ مَا فِيهَا وَ

[1] علم الیقین، جلد ۱، ص ۱۰۶
[2] سورۂ انعام، آیت ۷۹
[3] سورۂ انعام، آیت ۷۶

الْخَلْقِ وَ مَا هُمْ فِيهِ وَ فَرِّغْ قَلْبَكَ عَنْ كُلِّ شَاغِلٍ يَشْغَلُكَ عَنِ اللّٰهِ تَعَالَى وَ عَايِنْ بِسِرِّكَ عَظَمَةَ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ وَ اذْكُرْ وُقُوفَكَ بَيْنَ يَدَيْهِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى هُنَالِكَ تَبْلُوا كُلُّ نَفْسٍ مَا أَسْلَفَتْ وَرُدُّوا إِلَى اللّٰهِ مَوْلَاهُمُ الْحَق [1]
وَ قِفْ عَلَى قَدَمِ الْخَوْفِ وَ الرَّجَاء [2]

یہ عظیم دستو رایک ایسا دستور ہے ہم جیسے محجوب بین کے لئے جو اپنے حالات قلبیہ کو ہمیشہ محفوظ نہیں رکھ سکتے، وحدت و کثرت کو یکجا نہیں کر سکتے اور حق و خلق دونوں کی طرف مناسب توجہ نہیں کر سکتے۔ ایسی صورت میں جب حق کی طرف متوجہ ہوں اور قبلہ رو کھڑے ہوں تو دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب سے مایوس ہو جائیں اور مخلوق اوران کے احوال سے کوئی امید نہ رکھیں، قلبی مشاغل اورروحی شواغل سے ہر طرح کا ناطہ توڑ دیں، یہاں تک کہ محضر حق میں حاضری کے لائق ہو جائیں اور عظمت کے جلوؤں میں سے کوئی جلوہ ہمارے سر روح میں پیدا ہو اور جب نور عظمت کو پانے مقدور کے مطابق دریافت کرلیں تو حق کی طرف اپنی بازگشت اروا سکے محضر مقدس میں اپنی حاضری کو یاد کریں۔ اس دن جس دن ہر شخص کے اعمال اس کے نزدیک ظاہر ہوں گے اوراپنے مولائے برحق کی طرف سب پلٹائے جائیں گے، اور تمام نفسانی خواہشات اور جھوٹے معبودوں پر خط تنسیخ و بطلان کھینچ دیا جائے گا۔

لہٰذا ایسی عظیم الشان درگاہ میں، تمام دار و جود جس کے جلوہ ہائے کمال میں سے ایک جلوہ ہے۔ ہمارے تمہارے جیسے مسکینوں کو خود و امید کے قدموں سے جانا چاہئے اور کھڑے ہو جانا چاہئے اور جب اپنی کمزوری، بے حالی، محتاجی و بے چارگی اور فقر و ذلت پر نظر پڑے اور ذات مقدس کی عظمت و حشمت اور جلال کبریائی نظر آئے تو اس مقام کے حضرات سے خوف وحشت کا احساس کریں اور جب اس کی رحمت و عطوفت اور بے حساب الطاف و کرامات پر نظر جائے تو امید لگائے رہیں۔

[1] سورہ یونس، آیت ۳۰

[2] مصباح الشیعہ، الباب الثالث عشر، فی افتتاح الاصلاۃ، متدرک الوسائل، کتاب الصلاۃ ابواب افعال الصلاۃ باب ۲، حدیث ۹

قَالَ الْإِمَامُ الصَّادِقُ عَلَيْهِ السَّلَامُ:

اِخْتَبِرُوا اِخْوَانَكُمْ بِخَصْلَتَيْنِ

فَاِنْ كَانَتَا فِيهِمْ وَ اِلَّا فَاعْزُبْ ثُمَّ اعْزُبْ

ثُمَّ اعْزُبْ:

اَلْمُحَافَظَةُ عَلَى الصَّلَوَاتِ فِي مَوَاقِيتِهَا

وَالْبِرُّ بِالْاِخْوَانِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ ۔ [1]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اپنے بھائیوں کو دو (۲) خصلتوں سے آزماؤ اگر ان کے اندر یہ صفتیں ہوں تو ان سے دوستی برقرار رکھو ورنہ دوری اختیار کرو!

۱۔اوقاتِ نماز کی پابندی۔

۲۔تنگدستی و آسائش میں بھائیوں کے ساتھ نیکی۔

---

[1] اعیان الشیعۃ: ۸ / ۵۰۳

مقالۂ ثالثہ

مقارنات نماز

اس میں چند باب ہیں

قَالَ مُوسَی بْنُ جَعْفَر عَلَيْهِمَا السَّلامُ:
اَفْضَلُ مَايَتَقَرَّبُ بِهِ الْعَبْدُ اِلَى اللهِ
بَعْدَ الْمَعْرِفَةِ بِهِ
الصَّلاةُ وَبِرُّ الْوَالِدَيْنِ
وَ تَرْكُ الْحَسَدِ وَ الْعُجْبِ وَ الْفَخْرِ۔ [۱]

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا:
خدا کی معرفت کے بعد سب سے بہتر کام جن کے ذریعہ بندہ،
خدا سے تقرب حاصل کرتا ہے یہ ہیں:
نماز، والدین کے ساتھ نیکی، حسد سے پرہیز، خود پسندی سے
پرہیز اور فخر سے پرہیز۔

[۱] تحف العقول: ۳۹۱

باب اول

اذان واقامت کے چند آداب

فصل اول

مجموعی رمز اور اجمالی آداب اذان و اقامت

سالک الی اللہ کو چاہئے کہ اذان میں قلب جو قوائے ملکوتیہ کا سلطان ہے اور ملک وملکوت کی مختلف سمتوں میں پھیلے ہوئے لشکروں کے درمیان محضر قدس میں حاضر ہونے کا اعلان کرے اور جب حضور و ملاقات کا وقت نزدیک آجائے تو ان کو تیار کرے تاکہ اگر وہ عاشقان خدا اور مشتاقان لقاء ہیں تو جلوہ ناگہانی سے دامن صبر ہاتھ سے نہ چھوڑ دیں اور اگر محجوب ومہجور ہیں تو اسباب وآداب کے بغیر محضر مقدس میں نہ پہنچ جائیں۔ اس لئے اذان کا اجمالی راز ملکوتی وملکی قوتوں اور لشکر الٰہی کے درمیان حاضری کا اعلان ہے اور اس کا اجمالی ادب عظمت مقام اور اس کے خطرات، عظمت محضر و حاضر اور ممکن کی ذلت وفقر و فاقہ اور اس کے نقص و عجز کی طرف متنبہ ہونا ہے اور یہ تعمیل حکم اور محضر میں حاضری کی استعداد سے حاصل ہوتا ہے۔ اگر لطف ورحمت حق دستگیر نہ ہو اور نقص کی تلافی نہ فرمادے۔

اور اقامت ملکوتی وملکی قوتوں کو محضر میں استادہ کرنا اور بارگاہ میں حاضر کرنا ہے اس کا ادب خوف وخشیت، حیاء وندامت اور لامحدود رحمت سے امید واثق رکھتا ہے اور سالک کو چاہئے کہ اذان کی تمام فصلوں (اجزاء) میں دل کو محضر و حضور وحاضر کی عظمت سمجھائے اور اپنی ذلت اور عاجزی وقصور واپنا نصب العین قرار دے تاکہ ایک طرف خوف وخشیت پیدا ہو اور دوسری طرف رحمت واسعہ اور الطاف کریمانہ کا خیال دل میں لائے تاکہ امید واثق اور شوق عاشق پیدا ہو۔

اس طرح قلوب پر، عشق پر، شوق اور جذبہ غلبہ کرتا ہے اور وہ محبت وعشق کے قدموں کے سہارے محضر انس میں قدم رکھتے ہیں اور ان کے دل ایسی غیبی شوق اور جذبہ سے نماز کے آغاز سے انجام تک عشق محضر وحاضر کے ساتھ ذکر وفکر حق سے معانقہ کرتے رہتے ہیں۔

وفی الحدیث عن علی بن ابی طالب علیہ السلام قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ: أَفْضَلُ النَّاسِ مَنْ عَشِقَ الْعِبَادَةَ فَعَانَقَهَا وَ أَحَبَّهَا بِقَلْبِهِ وَ بَاشَرَهَا بِجَسَدِهِ وَ تَفَرَّغَ لَهَا فَهُوَ لَا يُبَالِي عَلَى مَا أَصْبَحَ مِنَ الدُّنْيَا عَلَى يُسْرٍ أَمْ عَلَى عُسْرٍ.[۱]

سب سے عمدہ انسان وہ ہے جو عبادت خدا سے عشق کرتا ہو اور اس سے بغلگیر ہو اور دل و جان سے اس کو چاہتا ہو اور اپنے بدن کو اس میں مشغول رکھے اور کسی دوسری شے سے اس کو اشتغال نہ ہو، ایسے شخص کو یہ فکر نہیں ہوگی کہ اس کی دنیا راحت و آرام سے گزر رہی ہے یا سختی و مشقت سے۔

اور قلوب پر خوف پر عظمت کی سلطنت تجلی کرتی ہے اور قہاریت کا جذبہ ان پر غالب ہوتا ہے اور ان کو خود سے بے خود بنا دیتا ہے اور خوف وخشیت سے ان کے دل پگھل جاتے ہیں اور اپنا ذاتی قصد اور اپنی ذلت و عاجزی کا احساس انہیں ہر چیز سے روکے رہتا ہے۔

وفی الحدیث عن موسی بن جعفر علیہ السلام قال: عَنْ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ أَنَّهُ قَالَ إِنَّ لِلَّهِ عِبَاداً كَسَرَتْ قُلُوبَهُمْ خَشْيَتُهُ وَ أَصْمَتَتْهُمْ عَنِ الْمَنْطِقِ...[۲]

خدا کے کچھ بندے ایسے ہیں جن کہ دلوں کو خوف خدا نے شکستہ کر دیا ہے اور ان کو بولنے سے روک دیا ہے۔

اولیائے کاملین کے لئے حق تعالیٰ کبھی تو اپنے لطف کی تجلی فرماتے ہے اور ان کا عشق اور جذبہ محبت ہی خود ان کا رہنما بن جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے وقت کا انتظار فرماتے رہتے تھے اور نماز سے ان کے عشق وشوق میں شدت پیدا ہوتی جاتی تھی اور اپنے مؤذن بلال سے فرماتے تھے:

أَرِحْنَا يَا بِلَال.[۳]

اور کبھی اپنی عظمت وسلطنت کی تجلی ظاہر فرماتا ہے اور اولیاء کے دلوں خوف وخشیت پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ

---

[۱] وسائل الشیعہ، جلد۱، ص ۶۱، کتاب الطہارۃ، ابواب مقدمۃ العبادات، باب ۱۹، حدیث ۲، از رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

[۲] بحار الانوار، ج ۷۵، ص ۳۰۹، کتاب الروضہ، باب ۲۵، حدیث ۱، از تحت العقول

[۳] مفتاح الفلاح فی عمل الیوم و اللیلة من الواجبات و المستحبات (ط - القدیمة) / 182 / فصل القیام إلی الصلاة فی أول وقتها..... ص: 181

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کے بارے میں ایسے خوف وخشیت کے حالات منقول ہیں اور کبھی اولیاء کو ان کے قلب کی طاقت اور ان کی وسعت ظرف کے مطابق تجلی جمعی احدی دکھا تا ہے۔ رہ گئے ہمارے جیسے دنیا میں اشتغال رکھنے والے محجوب اور مادیات کے زندان اور خواہشات اور تمناؤں کی زنجیروں کے قیدی اور سعادات عقلیہ الٰہیہ سے محروم لوگ، جنہیں مادیات کے خمار نے صبح ازل سے اب تک ہوش میں نہیں آنے دیا اور خواب گراں سے بیدار نہیں ہونے دیا ان قسموں سے باہر اور اس بیان کے دائرہ سے خارج ہیں۔

لہٰذا ہمارے لئے آداب حضور دوسری طرح کے ہیں اور قلبی آداب کی دوسری شکل ہے، لیکن ان میں جو چیز سب سے مقدم ہے وہ یہ ہے کہ قلب سے اللہ کی مہربانی سے نا امیدی اور رحمت خدا سے مایوسی کو نکال دیں، کیونکہ یاس و نا امیدی ایک بڑا ابلیسی لشکر اور شیاطین جن وانس کے وسوسے ہیں۔ یہ گمان نہیں کرنا چاہئے کہ یہ ایسے مقامات ہیں جو خاص اشخاص کے قدوقامت کے مطابق بنائے گئے ہیں اور ہماری امیدوں کا ہاتھ ان تک پہنچنے سے کوتاہ اور انسان کا قدم سیر عاجز ہے۔ لہٰذا ایسی غلطی نہ کر بیٹھیں جس کا سر ہو نہ پیر، یعنی سرودست ہو کر مادی زمین پر ہی نہ پڑے رہ جائیں۔ نہیں! ایسی بات نہیں ہے، بلکہ یہ ایک وہم ہے۔ ہاں! میں بھی اس بات کا قائل ہوں کہ کامل اہل اللہ کا خاص درجہ کسی کو بھی میسر نہیں ہے، لیکن معنوی مقامات اور الٰہی معارف کے بے شمار مراتب اور لاتعداد مدارج ہیں جن میں سے اکثر مقامات و معارف اور حالات و مدارج کا حاصل کرنا نوع بشر کے لئے ممکن ہے، بشرطیکہ اپنی سرد مہری اور سست گامی کو بالائے طاق رکھ دیں اور اہل جہل وعناد کی تنگ نظری خدا کے بندوں کے دلوں سے نکل جائے اور انکی راہ سلوک میں شیطان نہ آجائے۔

تو اب ہمارے لئے ادب حضور یہ ہے کہ اول امر میں، جب ہم حس اور ظاہر کے مرتبہ سے آگے نہ بڑھے ہوں اور دنیاوی عظمت وجلالت کے سوا کچھ نظر میں نہ ہو اور اللہ کی غیبی عظمتوں سے بے خبر ہوں اس وقت محضر حق کو ایک عظیم الشان سلطان کی بارگاہ جیسا سمجھیں، جس کی عظمت کا ادراک دل کو ہو چکا ہے اور اپنے دل کو یہ سمجھائیں کہ تمام عظمتیں اور جلال وکبریائی، عالم ملکوت کی عظمت کا ایک جلوہ ہیں۔ جس نے اس عالم میں نزول کیا ہے اور عالم ملکوت دوسرے غیبی عوالم کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا اس کے بعد قلب کو یہ سمجھائیں کہ عالم حق تعالیٰ کی مقدس بارگاہ ہے اور حق تعالیٰ ہر جگہ اور ہر شے میں موجود ہے بالخصوص نماز میں جو اس کی طرف سے حاضری کا مخصوص اذن اور حضرت احدیت کی جانب سے ملاقات ومراودت کی خاص وعدہ گاہ ہے۔ جب ہم نے قلب کو عظمت اور حاضری کا احساس دلا دیا، چاہے شروع شروع میں تکلف اور زحمت کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو، تو رفتہ رفتہ قلب انس پیدا کرلے گا اور یہ مجاز حقیقت کی شکل اختیار کرلے گا اور جب ہم نے مالک الملک اور سلطان السلاطین کی بارگاہ میں حاضری کے قلبی آداب کو عملی شکل

دے دی اور ظاہری حاضری کے آداب بجالائے تو دل میں بھی ضرور تاثیر پیدا ہوگی اور قلب میں عظمت کا احساس پید ہو گا اور دھیرے دھیرے انسان مطلوبہ نتائج حاصل کر لے گا۔ اسی طرح خدا کا عشق اور محبت بھی ریاضات سے حاصل ہو جاتی ہے۔

اسی طرح شروع میں حق تعالیٰ کی صوری رحمتوں اور حسی احسانات کا دل کو احساس دلانا چاہئے اور مقام رحمانیت ورحیمیت ومنعمیت کو دل میں جاگزیں کریں کرنا چاہئے تاکہ آہستہ آہستہ دل مانوس ہوجائے اور ظاہر کا اثر باطن پر پڑنے لگے اور مملکت باطن آثار جمال سے نورانی ہونا شروع ہوجائے اور پھر مطلوبہ نتائج حاصل ہوں، کیوں انسان اگر کسی کام کے لئے قیام کرتا ہے اور راہ خدا میں جہاد کرتا ہے تو خدا اس کا دستگیر ہوتا ہے اور اپنے غیبی ہاتھ سے اسے عالم مادیات کی تاریکیوں سے نجات دلاتا ہے اور اسکے دل کی اندھیری زمین کو اپنے نور جمال سے روشن کردیتا ہے اور اس زمین کو روحانی آسمان میں تبدیل کردیتا ہے۔

وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ۔[1]

جو شخص کوئی نیک کام انجام دیتا ہے ہم اس کی نیکی میں اضافہ کردیتے ہیں۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا اور شکریہ ادا کرنے والا ہے۔

[1] سورۂ شوریٰ، آیت ۲۳

فصل دوم

اذان و اقامت کی تکبیرات کے بعض اسرار و آداب

اذان چونکہ محضر ربوبیت میں نفس کی تمام ظاہری و باطنی قوتوں کی حاضری کا اعلان ہوتا کہ تمام اسماء وصفات اورشئون و آیات کی مناسب سے اس کی حمد وثنا کریں، کیونکہ جیسا کہ اشارہ کیا جاچکا نماز اس ذات مقدس کی ایک جامع حمد وثنا ہے اور اس حمد وثنا کا مورد ذات حق ہے۔اسم اعظم کے ذریعہ جلوہ کے لحاظ سے جو واحدیت کے حضور میں جمع اسماء کا مقام احدیت ہے اور اعیان و اسمائے عینیہ کے سامنے جمع وتفریق اورظہور و بطون کے ذریعہ تجلی کا مقام ہے۔لہٰذا سالک پہلے تو اس جامع شان کے مطابق ذات مقدس کی کبریائی کی طرف متوجہ ہو پھر اسکی عظمت وکبریائی کا علان کرے

اولاً اپنی مملکت کی ملکی وملکوتی قوتوں کے زریعہ،

ثانیاً: ملکت نفس میں پھیلی ہوئی قوتوں کے ملکوت پر موکل ملائکہ اللہ کے ذریعہ،

ثالثاً: عالم غیب وشہادت کے موجودات کے ذریعہ

اوررابعاً: ملکوت سماوات ورضین پر موکل ملائکہ کے ذریعہ۔

اس کے بعد چار تکبیروں کے ذریعہ مملکت داخلی و خارجی کے عوالم غیب وشہادت کے تمام باشندوں میں اسم اعظم کی کبریائی کا اعلان کردے اور یہ خود، ذات مقدس کی حمد وثنا سے اپنی عاجزی کا اعلان اور اقامہ نماز سے اپنے قصور کا اعتراف ہے اور یہ خود ان امور میں ہے جو سلوک میں شامل ہیں اوران آداب میں سے ہے جو ثنا اور عبادات میں داخل ہیں اور جو نماز کے تمام احوال میں سالک کا نصب العین ہونا چاہئیں۔اسی لئے اذان و اقامت میں تکبیر کی تکرار ہوتی ہے اورنماز میں تو تکرار ہوتی ہی رہتی ہے اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہوتے وقت اسے دہرایا جاتا ہے

تا کہ سالک کے دل میں خود اپنی ذات کا نقص وقصور اور ذات مقدس کی بزرگی و کبرائی متمکن ہو جائے۔

اسی سے تکبیر کا ادب بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ سالک کو چاہیئے کہ ہر تکبیر میں اپنے دل اور تمام قوتوں کو اپنا عجز اور خدا کی کبریائی یاد دلائے۔ دوسرے رخ سے ممکن ہے کہ اذان کی پہلی تکبیریں کسی مقام کی طرف اشارہ ہوں

اس طرح پہلی تکبیر سے توصیف ذاتی کی طرف اشارہ ہو۔

دوسری تکبیر سے توصیف وصفی کی طرف اشارہ ہو۔

تیسری تکبیر سے توصیف اسمائی کی طرف اشارہ ہو۔

چوتھی تکبیر سے توصیف فعلی کی طرف اشارہ ہو۔

گویا سالک کہتا ہے کہ: اللہ توصیف ذات یا تجلیات ذاتیہ سے اور توصیف صفات یا تجلیات صفاتیہ سے اور توصیف اسماء یا تجلیات اسمائیہ سے اور توصیف افعال یا تجلیات افعالیہ سے بڑا اور بالاتر ہے۔

وفی حدیث طویل عن امیر المؤمنین علیہ السلام انه قال: وَ الْوَجْهُ الْآخَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ فِيهِ نَفْيُ صِفَتِهِ وَ كَيْفِيَّتِهِ كَأَنَّهُ يَقُولُ اللّٰهُ أَجَلُّ مِنْ أَنْ يُدْرِكَ الْوَاصِفُونَ قَدْرَ صِفَتِهِ الَّذِي هُوَ مَوْصُوفٌ بِهِ وَ إِنَّمَا يَصِفُهُ الْوَاصِفُونَ عَلَى قَدْرِهِمْ لَا عَلَى قَدْرِ عَظَمَتِهِ وَ جَلَالِهِ تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ أَنْ يُدْرِكَ الْوَاصِفُونَ صِفَتَهُ عُلُوّاً كَبِيراً ۔۔۔ الحدیث [1].

اللہ اکبر، کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ اس کی کیفیت کی نفی کرے۔ گویا اذان دینے والا کہتا ہے: خدا اس سے بالاتر ہے کہ وصف کرنے والے اس کی صفت کو (جیسی وہ ہے) ادراک کریں، وصف کرنے والے اپنے ادراک کے بقدر تو اس کا وصف بیان کرتے ہیں اس کے جلال وعظمت کے بقدر نہیں۔ خدا اس سے بہت بلند و برتر ہے کہ توصیف کرنے والے اس کی صفت کا ادراک کرلیں۔

تکبیرات کے اہم آداب میں یہ ہے کہ سالک مجاہدہ کرے اور قلبی ریاضتوں سے قلب کو حق تعالیٰ کی کبریائی کا محل قرار دے اور کبرشان وعظمت و سلطان اور جلال اللہ کی ذات میں منحصر قرار دے اور دوسرے موجودات کی کبریائی کا سلب کرے اور اگر دل میں کسی کی کبریائی کا کوئی اثر ہو اور اس کو حق کی کبریائی کے پرتو کی حیثیت سے نہیں دیکھتا

---

[1] بحار الانوار، جلد ۸۱، ص ۱۳۱، کتاب الصلاۃ، باب الاذان والاقامۃ، حدیث ۲۴

اور سمجھتا ہے تو اس کا دل مریض ہے اور اس پر شیطان کا تصرف ہو چکا ہے اور اکثر تصرفات شیطانی کی وجہ سے دل میں حق سے زیادہ غیر حق کی کبریائی کا تسلط ہو جاتا ہے اور قلب غیر حق کو حق سے بڑا سمجھنے لگتا ہے۔ اس صورت میں انسان کا شمار منافقین کی فہرست میں ہوتا ہے، اس مہلک مرض کی علامت یہ ہے کہ انسان مخلوق کی خوشنودی کو خوشنودی حق پر مقدم کرتا ہے اور مخلوق کو خوش کرنے کے لئے خالق کو ناراض کر دیتا ہے۔

وفی الحدیث، قال الصادق علیہ السلام: فَإِذَا كَبَّرْتَ فَاسْتَصْغِرْ مَا بَيْنَ السَّمَاوَاتِ الْعُلَى وَ الثَّرَى دُونَ كِبْرِيَائِهِ فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى إِذَا اطَّلَعَ عَلَى قَلْبِ الْعَبْدِ وَهُوَ يُكَبِّرُ وَفِي قَلْبِهِ عَارِضٌ عَنْ حَقِيقَةِ تَكْبِيرِهِ- فَقَالَ يَا كَذَّابُ أَ تَخْدَعُنِي وَ عِزَّتِي وَ جَلَالِي لَأَحْرِمَنَّكَ حَلَاوَةَ ذِكْرِي وَلَأَحْجُبَنَّكَ عَنْ قُرْبِي وَ الْمَسَرَّةِ بِمُنَاجَاتِي۔[1]

فرماتے ہیں:

جب تکبیر کہو تو اس ذات مقدس کی بارگاہ کبریائی میں عرش سے فرش تک ہر چیز کو چھوٹا اور معمولی سمجھو، کیونکہ خداوند عالم اگر کسی بندے کو دیکھتا ہے کہ وہ تکبیر تو کہہ رہا ہے لیکن اس کے دل میں تکبیر کی حقیقت کے بارے میں کوئی کھوٹ ہے، یعنی اس کا دل زبان سے جو کچھ کہا ہے اس کی موافقت نہیں کرتا ہے تو فرماتا ہے، اے دروغگو! (اے جھوٹے) مجھ سے فریب کرتا ہے؟ مجھے میری عزت و جلال کی قسم ہے کہ اپنی یاد کی حلاوت سے تجھے محروم کردوں گا اور اپنے قرب سے تجھے محجوب ہی رکھوں گا اور اپنی مناجات کی خوشی سے تجھے دور رہی رہنے دوں گا۔

اے عزیز! یہ جو ہمارے قلوب بے تدبیر ذکر خدا کی حلاوت سے محروم ہیں اور یہ جو اس ذات مقدس سے مناجات کی لذت سے ہماری روح کے کام و دین نا آشنا ہیں اور قرب بارگاہ میں رسائی سے محجوب اور تجلیات جلال و جمال سے محروم ہیں ان سب کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے دل بیمار ہیں اور دنیا کی طرف توجہ اور زمین پر ہمیشہ رہنے کے خیال نے اور مادیات کے تاریک بردوں نے ہم کو کبریائی حق کی معرفت اور انوار جلال و جمال سے محروم کر دیا ہے۔ جب تک ہم موجودات کو مستقل ابلیسی نظر سے دیکھے جائیں گے اس وقت تک شراب وصل کو چکھنا اور لذت مناجات کو پانا ممکن نہیں ہے۔ جب تک عالم وجود میں ہم کسی انسان کی کبریائی کو مانتے رہیں گے اور تعینات خلقیہ کے بتوں کے حجاب میں

[1] مصباح الشریعہ، الباب الثالث، فی اختتام الصلاۃ، المحجۃ البیضاء، چاپ مکتبہ صدوق، جلد ا، ص ۳۸۵، متدرک الوسائل، کتاب الصلاۃ، ابواب افعال الصلاۃ، باب ۲، حدیث ۹

رہیں گے اس وقت تک ہمارے دل میں حق تعالیٰ کی کبریائی کی حاکمیت تجلی نہیں کرے گی۔

لہٰذا تکبیر کے آداب میں ایک ادب یہ ہے کہ سالک تکبیر کی صورت سے واقفیت حاصل کرے اور تنہا لفظ اور صرف زبان سے ادا کر لینے پر اکتفا نہ کرے، بلکہ پہلے برہان کی قوت اور علوم الٰہیہ کے نور سے کام لے کر قلب کو باخبر کرے کی کبریائی حق کے لئے مخصوص ہے اور عظمت وجلال اسی ذات پاک کی بارگاہ کے لئے ہے۔ باقی عالم امکان کا تمام باشندے اور جملہ جسمانی و روحانی موجودات اس کے سامنے فقیر، ذلیل اور مسکین ہیں۔ اس کے بعد ریاضت کی قوت، بار بار درگاہ الٰہی میں آمد رفت اور پوری طرح انس پیدا کر کے قلب کو اس لطف الٰہی سے زندہ کرے اور اسے عقلی و روحانی حیات بخشے جب ممکن کا فکر اور اس کی ذلت اور حق تعالیٰ کی عظمت اور اس کی کبریائی سالک کا نصب العین ہو جائے گی، تفکر و تذکر نصاب (معین) حد تک پہنچ جائے گا اور قلب کو انس اور سکون حاصل ہو جائے گا تو تمام موجودات میں حق تعالیٰ کی کبریائی اور جلال کا چشم بصیرت سے مشاہدہ کرنے لگے گا اور قلبی بیماریوں کا علاج ہو جائے گا۔ اس کے بعد مناجات کی لذت اور ذکر خدا کی حلاوت کا احساس کرنے لگے گا۔ قلب کبریائی حق تعالیٰ کی فرمانروائی کا مرکز بن جائے گا۔ مملکت کے ظاہر و باطن میں آثار کبریا ظاہر ہوں گے۔ قلب و زبان اور سر و علن سب ایک ہو جائیں گے۔ قوائے ظاہر و باطن اور ملک و ملکوت سب تکبیر کہیں گے۔ ایک گہرا پردہ ہٹ جائے گا اور حقیت نماز کی ایک مرحلہ، یعنی معراج قرب، نزدیک آجائے گا۔

یہ جو کچھ بیان کیا گیا اس میں سے بعض باتوں کی طرف ایک حدیث میں اشارہ آیا ہے جو علل الشرائع سے نقل کی گئی ہے۔ یہ طولانی حدیث امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے جس میں امامؑ نے وصف معراج پر روشنی ڈالی ہے۔

قَالَ: أَنْزَلَ اللّٰهُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ عَلَيْهِ مَحْمِلًا مِنْ نُورٍ فِيهِ أَرْبَعُونَ نَوْعاً مِنْ أَنْوَاعِ النُّورِ كَانَتْ مُحْدِقَةً حَوْلَ الْعَرْشِ عَرْشُهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى تَغْشَى أَبْصَارَ النَّاظِرِينَ أَمَّا وَاحِدٌ مِنْهَا فَأَصْفَرُ فَمِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ اصْفَرَّتِ الصُّفْرَةُ وَ وَاحِدٌ مِنْهَا أَحْمَرُ فَمِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ احْمَرَّتِ الْحُمْرَةُ وَ وَاحِدٌ مِنْهَا أَبْيَضُ فَمِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ ابْيَضَّ الْبَيَاضُ وَ الْبَاقِي عَلَى عَدَدِ سَائِرِ مَا خُلِقَ مِنَ الْأَنْوَارِ وَ الْأَلْوَانِ فِي ذٰلِكَ الْمَحْمِلِ حَلَقٌ وَ سَلَاسِلُ مِنْ فِضَّةٍ فَجَلَسَ عَلَيْهِ

ثُمَّ عُرِجَ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَنَفَرَتِ الْمَلَائِكَةُ إِلَى أَطْرَافِ السَّمَاءِ

ثُمَّ خَرَّتْ سُجَّداً فَقَالَتْ سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّنَا وَ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَ الرُّوحِ مَا

أَشْبَهَ هَذَا النُّورَ بِنُورِ رَبِّنَا

فَقَالَ جَبْرَئِيلُ ع اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ فَسَكَتَتِ الْمَلَائِكَةُ وَ فُتِحَتْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَ اجْتَمَعَتِ الْمَلَائِكَةُ

ثُمَّ جَاءَتْ فَسَلَّمَتْ عَلَى النَّبِيِّ ص أَفْوَاجا ...الحديث.[1]

خدائے عزیز وجبار نے پیغمبر اکرمؐ پر نور کی ایک محمل نازل کی جس پر چالیس طرح کے انوار تھے جو عرش الہی کے اطراف میں اس طرح حلقہ کئے تھے کہ ہر دیکھنے والے کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں۔

ان میں سے ایک ور زرد تھا۔لہٰذا ادھر زرد ہی زرد روشنی پھیلی تھی۔ایک نور سرخ تھا اورادھر سرخ ہی سرخ رشنی پھیلی تھی،

یہاں تک کہ بیان کرتے کرتے امام علیہ السلام نے فرمایا: پس پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں بیٹھے اورآسمان دنیا کی طرف بلند ہوئے۔ یہ دیکھ کر ملائکہ آسمان میں ادھر اُدھر بھاگ گئے۔

اس کے بعد سجدہ میں گر کر کہنے لگے: پاک اور پاکیزہ ہے وہمارا پروردگار اورملائکہ وروح کا پروردگار! یہ نور ہمارے پروردگار کے نور سے کس قدر مشابہ ہے!،

پھر جبرئیل نے کہا: اللہ اکبر اللہ، اس پر ملائکہ خاموش ہو گئے۔

آسمان کے دروازے کھل گئے اور ملائکہ مجتمع ہو کر آئے اور گروہ درگروہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام کرنے لگے۔

اس حدیث شریف میں بڑے اسرار ہیں جن تک پہنچنے سے ہماری آرزوؤں کا ہاتھ قصر ہے اوراس حدیث سے متعلق جو چیز بیان کرنے کے لائق ہے وہ ہمارے مقصد کتاب سے خارج، جیسے محمل نور کے اترنے کا راز، کثرت نوعیہ کا راز، چالیس کے عدد کا راز اوراسے نازل کرنے کا الہٰی راز، عرش کے اردگرد ان کے احاطہ کرنے کا راز، اس مقام میں عرش کی حقیقت، زردی کے زرد ہونے اورسرخی کے سرخ ہونے کا راز، فرشتوں کے اطراف آسمان میں چلے جانے کا راز، فرشتوں کے سجدہ کرنے اورتسبیح وتقدیس کا راز، فرشتوں کا اس نور کا نور خدا سے تشبیہ دینے کا راز اور دوسرے راز جن میں سے ہرایک کے اطراف وجوانب کا بیان طولانی ہے جو کچھ اس مقام کے مناسب اور ہمارے مقصد پر شاہد ہے وہ یہ

---

[1] علل الشرائع، جلد ۲، ص ۳۱۲، باب عدل الوضوء والاذان والصلاۃ، حدیث ۱

ہے کہ ملائکہ جبریل کی تکبیر کی آواز سن کر خاموش اور مطمئن ہو گئے اور دل مطلق کی شمع جمع کے گرد مجتمع ہوئے اور تکبیر کی وجہ سے پہلا آسمان فتح ہوگیا اور عروج الی اللہ کی راہ کا ایک پردوہ چاک ہو گیا۔ یا د رہے کہ یہ پردے جو اذان میں ہٹتے ہیں ان پردوں کے علاوہ ہیں جو تکبیرات افتتاحیہ کے ذریعہ چاک ہوتے ہیں اور شاید بعد میں اس کی طرف اشارہ آئے، انشاءاللہ۔

اور شاید یہ جو اقامت میں دو تکبیریں ہیں اس کے ہیں کہ سالک نے اپنی قوتوں کو بارگاہ الٰہی میں قائم کرلیا اور کثرت سے ایک حد تک وحدت کی طرف رخ کر چکا اور اب تکبیر ذات و اسماء یا تکبیر اسماء و صفات کر رہا ہے اور ہو سکتا ہے کہ تکبیر ذات و اسماء ہی میں تکبیر صفات بھی شامل ہو۔

فصل سوم

الوہیت کی شہادت کے آداب اور اذان ونماز سے اس کا ربط

معلوم رہے کہ الوہیت کے چند مقامات ہیں جو مجموعی طور پر دو مقام سے عبارت ہیں:

ایک مقام الوہیت ذاتیہ

دوسرے مقام الوہیت فعلیہ

اور اگر الوہیت کے حق میں منحصر اور اسی سے مخصوص ہونے کی گواہی کا مقصد الوہیت ذاتیہ کی گواہی ہے تو اس کی حقیقت تکبیر سے تقریباً ملتی جلتی معلوم ہوتی ہے۔ اگر ''الہ فی الشیء'' یعنی تخیر فیہ، یا لاہ، یعنی ارتفع، یا لا یلوہ، یعنی احتجب میں سے کسی سے بھی مشتق مانا جائے اس صورت میں باب تکبیر کے خاصیات ومعانی کی طرف رجوع کرنے سے اذان و اقامہ سے اس کا ربط بھی معلوم ہو جاتا ہے اراس کا ادب بھی اور اس کا اعادہ اختصار کے منافی ضرور ہے، لیکن فوائد سے خالی نہیں۔

اور اگر، الہ، بمعنی، عبد، ہو اور مراد، مالوہ، بمعنی، معبود، ہو تو سالک کو چاہئے کہ محضر معبودیت میں شہادت صوری کو شہادت قلبی و باطنی سے حق تعالیٰ کے لئے منطبق کر لے اور یہ سمجھ لے کہ اگر دل میں کوئی اور معبود ہوا تو اس شہادت کے سلسلہ میں منافق ہوگا کیونکہ زبان پر کچھ ہے اور دل میں کچھ اور۔

لہٰذا کوئی سی بھی ریاضت کرتے ہوئے الوہیت کی شہادت کو دل تک پہنچائے اور شیطان نفس امارہ کے تصرف کے ہاتھوں تراشے ہوئے چھوٹے بڑے بتوں کو دل کے کعبہ سے نکالے اور توڑ کر پھینک دے تا کہ محضر قدس کے لائق ہو جائے جب تک محبت دنیا اور شئون دنیویہ کے بت کعبہ دل میں رہیں گے۔ سالک کو منزل مقصود کی طرف جانے کا

راستہ نہیں مل سکتا۔ لہٰذا الوہیت کی شہادت ملکی اور ملکوتی قوتوں میں اعلان کے لئے ہے کہ جھوٹے معبودوں اور کجروی کے مقاصد کو اپنے قدموں تلے روند ڈالیں تا کہ معراج قرب کی طرف جا سکیں۔

اور اگر الوہیت کے منحصر ہونے سے مراد الوہیت فعلی ہے جو تصرف و تدبیر و تاثیر ہی کی دوسری تعبیر ہے تو شہادت کے معنی یہ ہو جائیں گے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ دار وجود میں کوئی متصرف اور غیب و شہادت میں کوئی مؤثر سوائے ذات مقدس حق کے نہیں ہے اور اگر قلب سالک میں موجودات میں سے کسی موجود اور دوسرے افراد میں سے کسی فرد پر اطمینان ہوگا تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ اس کا دل بیمار ہے اور اس کی گواہی جھوٹی اور مصنوعی ہے۔

لہٰذا سالک کو چاہئے کہ ''لا مؤثر فی الوجود الا اللہ'' کو پہلے فلسفیانہ دلیل و برہان سے مستحکم کرے اور معارف الٰہیہ سے جو بعثت انبیاء علیہم السلام کی غرض و غایت ہے، فرار نہ کرے اور حق اور اس کے شئون ذاتیہ و صفاتیہ کے تذکر سے اعراض نہ کرے، کیونکہ سعادتوں کا سرچشمہ تذکر حق ہے

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا.[1]

جو شخص میری یاد سے روگردانی کرے گا اس کی زندگی میں دشواریاں پیدا ہوں گی۔

اور جب برہان و تفکر کے قدموں سے چل کر اس الٰہی لطف کی حقیقت تک پہنچ جائے جو الٰہی معارف کا سرچشمہ اور غیبی حقائق کا صدر دروازہ ہے تو تذکر و ریاضت کے قدموں سے آگے بڑھ کر قلب کو اس سے مانوس کرے تا کہ قلب اس پر ایمان لے آئے اور یہ سالک کے قول کی سچائی کا پہلا مرتبہ ہوگا اور اس کی علامت سب سے کٹ کے حق کا ہو رہنا اور تمام موجودات کی طرف سے چشم امید و طمع کو بند کر لینا ہے اور اس کا نتیجہ توحید فعلی کی صورت میں نکلے گا جو اہل معرفت کے عظیم مقامات میں سے ایک ہے اور جب سالک اللہ نے تمام تاثیرات کو حق میں منحصر کر لیا اور اس کے علاوہ تمام موجودات سے امید کی نظریں ہٹا لیں تو محضر مقدس کے لائق ہو گیا بلکہ اس کا دل فطری طور پر اس محضر کی طرف متوجہ ہو گیا اور شاید شہادت کو دہرانا اس لئے ہو کہ دل میں اسے اچھی طرح تمکن حاصل ہو جائے اور شہادت سے مقصد دونوں شہادتوں میں سے ایک ہی شہادت ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ تکرار نہ ہو بلکہ ایک سے اشارہ الوہیت ذاتیہ کی طرف ہو اور دوسری سے الوہیت فعلیہ کی طرف۔ اس صورت میں آخر میں اس کا اعادہ ممکن ہے، تمکین کے لئے ہو اور اسی لئے وہاں لفظ شہادت سے اس کا ذکر نہ آیا ہو، کیونکہ شہادت تو پہلے ہی دی جا چکی۔

---

[1] سورۂ طٰہٰ: ۱۲۴

تنبیہ عرفانی

معلوم ہونا چاہئے کہ شہادت کے چند مراتب ہیں جن میں سے ہم انہیں چند کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں جو ان اوراق کے لئے مناسب ہیں:

اول: شہادت قولی ہے جو معلوم۔ قولی شہادت کی اگر قلبی شہادت سے توثیق وتصدیق نہ ہو چاہے اس کے بعض معمولی مراتب ہی کے ذریعہ ہو تو یہ شہادت نہ ہوگی بلکہ فریب اور نفاق ہوگی جیسا کہ تکبیر کے سلسلے میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث بیان ہو چکی۔

دوم: شہادت فعلی ہے۔ وہ یوں ہے کہ انسان اعضاء وجوارح کے اعمال سے گواہی دے۔ مثلاً اپنے افعال کے طرز میں اور اپنے اعمال کے اجراء کرنے میں (لا مؤثر فی الوجود الا اللہ) کی حقیقت کو داخل کرے اور چونکہ قولی شہادت کا لازمہ یہ ہے کہ کسی غیر کو موثر نہ جانے، لہٰذا اس کے اعمال کا نقشہ بھی یوں ہی ہوگا۔ پس اپنا دست احتیاج بارگاہ خدا کے سوا کہیں دراز نہ کرے اور چشم امید کو کسی مخلوق کی طرف کھول کر نہ دیکھے اور کمزور بندوں کے سامنے اپنا استغنا اور بے نیازی کا اظہار کرے اور ان کے سامنے ضعف و ذلت اور عجز کے اظہار سے کنارہ کرے اور یہ مطلب احادیث مبارکہ میں بہت آیا ہے۔ چنانچہ کافی شریف کی روایت ہے کہ: مومن کی عزت لوگوں سے اس کا مستغنی اور بے نیاز رہنا ہے۔[1]

اور اظہار نعمت وغنا کرنا خود مستحبات شرعیہ میں سے ایک ہے اور لوگوں سے حاجتیں طلب کرنا مکروہ ہے۔

بالجملہ؛ انسان کو چاہئے کہ "**لا مؤثر فی الوجود الا اللہ**"(وجود میں کوئی مؤثر نہیں سوائے خدا کے) کے الٰہی نادر نکتہ کو اپنی ظاہری مملکت میں جاری کرے۔

سوم: شہادت قلبی ہے، یہ شہادت، شہادت فعلی وقولی دونوں کا سرچشمہ ہے۔ جب تک یہ شہادت نہ ہوگی ان دونوں کا وجود نہ ہوگا اور ان کی حقیقت سامنے نہیں آئے گی اور وہ یوں ہے کہ حق کی توحید فعلی میں تجلی کرے اور قلب اپنے سر باطنی سے اس نکتہ کو پالے اور دوسرے موجودات سے منقطع ومنفصل ہو جائے۔

لوگوں سے امید ترک کرنے، بندوں سے مایوس ہو جانے اور خدائے تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ کرنے کے بارے میں اہل بیت عصمت علیہم السلام سے جو ایک عمدہ حدیث روایت کی گئی ہے وہ اس مقام سے متعلق ہے۔

---

[1] اصول کافی، جلد ۳، ص ۲۱۸، کتاب الایمان الکفر، باب الاستغناء عن الناس، حدیث ۱

عن الکافی باسنادہ عن علی بن الحسین علیہما السلام قال: قَدِ اجْتَمَعَ فِي قَطْعِ الطَّمَعِ عَمَّا فِي أَيْدِي النَّاسِ، وَمَنْ لَمْ يَرْجُ النَّاسَ فِي شَيْءٍ، وَرَدَّ أَمْرَهُ إِلَى اللَّهِ-عَزَّ وَجَلَّ-فِي جَمِيعِ أُمُورِهِ، اسْتَجَابَ اللَّهُ-عَزَّ وَجَلَّ-لَهُ فِي كُلِّ شَيْءٍ..." [1]

میں نے دیکھا کہ جو کچھ نیکی ہے وہ لوگوں کے ہاتھ میں جو کچھ ہے اس سے طمع نہ کرنے میں ہے اور جو شخص ایک بھی چیز میں لوگوں سے امید نہ لگائے اور اپنے تمام امور خدا کے حوالہ کر دے خداوند عالم ہر چیز میں اس کی حاجت پوری کرتا ہے۔

اس طرح کی حدیثیں بہت سی ہیں۔

چہارم: شہادت ذاتی ہے۔ اس سے مقصود شہادت وجود یہ ہے اور یہ اولیائے کاملین میں متحقق ہوتی ہے اور اولیاء کی نظر میں تمام موجودات میں ایک ہی معنی میں یہ شہادت پائی جاتی ہے اور شاید آیۂ شریفہ "شَهِدَ اللهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ" [2] (خدا نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں اور ملائکہ اور صاحبان علم نے بھی یہی گواہی دی) میں شہادت ذاتی مراد ہو، کیونکہ حق تعالیٰ مقام احدیت جمع میں اپنی وحدانیت کی شہادت ذاتی دیتا ہے، کیونکہ وجود محض، احدیت ذاتی ہی رکھتا ہے اور یوم قیامت طالع ہوگا تو وحدانیت میں ظہور کرے گا۔ یہ احدیت پہلے مرآت جمع میں اور پھر مرآت تفصیل میں ظہور کرتی ہے۔ اسی لئے فرمایا ہے "وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ" اور یہاں پر معارف کے چند مقامات ہیں جن کا بیان کرنا ان اوراق کی ذمہ داری سے باہر ہے۔

وصل

الْعَيَّاشِيُّ، عَنْ عَبْدِ الصَّمَدِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ: ذُكِرَ عِنْدَ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ عليه السلام بُدُوُّ الْأَذَانِ... فَقَالَ إِنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ رَأَى فِي مَنَامِهِ الْأَذَانَ فَقَصَّهُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وآله وَأَمَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وآله أَنْ يُعَلِّمَهُ بِلَالًا فَقَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ كَذَبُوا إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وآله كَانَ نَائِماً فِي ظِلِّ الْكَعْبَةِ فَأَتَاهُ جَبْرَئِيلُ ع وَمَعَهُ طَاسٌ فِيهِ مَاءٌ مِنَ الْجَنَّةِ فَأَيْقَظَهُ وَأَمَرَهُ أَنْ يَغْتَسِلَ ثُمَّ وَضَعَ فِي مَحْمِلٍ لَهُ أَلْفُ أَلْفِ لَوْنٍ مِنْ نُورٍ ثُمَّ صَعِدَ بِهِ

---

[1] الکافی (ط-دارالحدیث) / ج3 / 382 / 67-باب الاستغناء عن الناس ص:381

[2] سورۂ آل عمران، آیت ۱۸

حَتَّى انْتَهَى إِلَى أَبْوَابِ السَّمَاءِ فَلَمَّا رَأَتْهُ الْمَلَائِكَةُ نَفَرَتْ عَنْ أَبْوَابِ السَّمَاءِ فَأَمَرَ اللهُ جَبْرَئِيلَ عليه السلام فَقَالَ اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ فَتَرَاجَعَتِ الْمَلَائِكَةُ نَحْوَ أَبْوَابِ السَّمَاءِ فَفَتَحَتِ الْبَابَ فَدَخَلَ عليه السلام حَتَّى انْتَهَى إِلَى السَّمَاءِ الثَّانِيَةِ فَنَفَرَتِ الْمَلَائِكَةُ عَنْ أَبْوَابِ السَّمَاءِ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ فَتَرَاجَعَتِ الْمَلَائِكَةُ ثُمَّ فُتِحَ الْبَابُ فَدَخَلَ. الحديث.[1]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں اذان کے آغاز کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی، یہاں تک کہ آپؑ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کعبہ کے سائے میں لیٹے تھے۔ جبریل جنت کے پانی سے بھرا ایک طشت لے کر آپؐ کے پاس آئے۔ آپؐ کو جگایا اور حکم دیا کہ اس پانی سے غسل کیجئے۔ پھر رسول اللہؐ ایک محمل میں بیٹھے جس میں ہزار ہزار قسم کے نور کے رنگ تھے۔ پھر آپؐ کو آسمان کی طرف لے جایا گیا، یہاں تک کہ آسمان کے دروازوں تک پہنچے جب ملائکہ نے آپؐ کو دیکھا تو آسمان کے دروازوں کو چھوڑ کر بھاگ گئے اور کہنے لگے: دو خدا ہیں، ایک زمین میں اور ایک آسمان میں!! حکم خدا سے جبریل نے کہا: اللہ اکبر، اللہ اکبر، یہ سن کر ملائکہ دروازوں کی طرف پلٹ آئے۔ اس وقت آسمان کے دروازے کھلے اور رسولؐ داخل ہوئے، یہاں تک کہ دوسرے آسمان تک پہنچے۔ پس ملائکہ وہاں بھی دروازوں کے اطراف کو چھوڑ کر بھاگے۔ جبریل نے کہا:

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ.

ملائکہ پلٹ آئے اور سمجھ گئے کہ رسول اللہؐ مخلوق ہیں۔ پھر در کھلے اور رسول اللہؐ داخل ہوئے۔

اور علل الشرائع کی حدیث میں بھی قریب قریب یہی مضمون وارد ہوا ہے۔[2]

ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ الوہیت کی گواہی درہائے آسمان کے کھلنے اور پردوں کے چاک ہونے کا سبب ہے اور فرشتوں کے جمع ہونے کا باعث ہوتا ہے اور یہ حجاب جو الوہیت کی گواہی اور الوہیت کے ذات مقدس میں انحصار کی شہادت سے ہٹتا ہے، تاریک اور غلیظ پردوں میں سے ایک ہے کہ جب سالک اس حجاب میں رہتا ہے اس وقت

---

[1] تفسیر عیاشی، جلد ۱، ص ۱۵، تفسیر سورہ بقرہ، کے ذیل میں روایت، ۵۳۰

[2] علل الشرائع، جلد ۲، ص ۳۱۲

تک محضر میں حاضری کی کوئی راہ نہیں پاتا اور جب تک اس کے لئے یہ دروازہ نہ کھل جائے تب تک سلوک کا کوئی طریقہ اس کے پاس نہیں ہوتا۔ یہ حجاب کثرت افعالی اوراحتجاب تکثیری میں گر پڑنے کا حجاب ہے جس کا نتیجہ موجودات میں فاعلیت ومؤثریت کو دیکھنا ہے جو فاعلیت میں ان کو مستقل دیکھے جانے کا نتیجہ ہے اور یہ تفویض محال اور شرک اعظم ہے لیکن الوہیت اور حق تعالیٰ میں الوہیت کے منحصر ہونے کی شہادت کا نتیجہ توحید افعالی اور فعل حق میں کثرات کو فانی کر دینا، غیر کی تاثیر وفاعلیت کی نفی اور غیر حق کے استقلال کا انکار ہے۔ اسی لئے ملکوتیین حجاب کثرت (الہ فی الارض والہ فی السماء) سے باہر آئے تو اسی شہادت کے واسطے سے اور گریز وتفرقہ سے انس واجتماع کی طرف پلٹے تو ایسی شہادت کے ذریعہ اور آسمانوں کے دروازے کھلے تو اسی سے۔ لہٰذا سالک کو بھی یہی چاہئے کہ اس شہادت کے ذریعہ اپنے ظلمانی حجاب کو چاک کرے اور آسمان کے دروازوں کو اپنے لئے کھولے اور استقلال کے بڑے اور غلیظ پردے سے ایک قدم آگے بڑھ جائے تا کہ معراج قرب کی طرف عروج کی راہ نزدیک آجائے اور یہ حقیقت فقط زبان ہے دہرانے اور ذکر قولی سے حاصل نہ ہوگی ورنہ ہماری عبادتیں بھی صورت کی حد اور دنیا کی حد سے آگے نہیں بڑھیں گی اور ہمارے سامنے سے نہ حجاب ہٹیں گے اور نہ آسمان کے دروازے واہوں گے۔

فصل چہارم

رسالت کی شہادت کے بعض آداب اور شہادت ولایت کی طرف ایک اشارہ

معلوم ہونا چاہئے کہ اس سفر روحانی اور معراج ایمانی کو ان شکستہ قدموں، اس ٹوٹی ہوئی عنان، اس چشم کور اوراس دل بے نور سے طے نہیں کیا جاسکتا۔

وَمَنۡ لَّمۡ يَجۡعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوۡرًا فَمَا لَهٗ مِنۡ نُّوۡرٍ.[1]

جس شخص کے لئے خدا نور قرار نہیں دیتا اس کے لئے کوئی نور نہ ہوگا۔

لہٰذا اس طریق روحانی کے سلوک اوراس معراج روحانی پر عروج کے لئے ہادیان طریق معرفت اورانوار راہ ہدایت کے مقام روحانیت سے لازماً تمسک اختیار کرنا چاہئے کہ یہی حضرات واصلان الی اللہ اورعاکفان علی اللہ (اللہ تک پہنچے ہوئے اوراللہ کے محضر قدس میں ٹھہرے ہوئے) ہیں اور اگر کوئی شخص ان کی ولایت سے تمسک کے بغیر اپنی انانیت کے قدموں سے یہ راہ طے کرنا چاہے گا تو اس کا سلوک سلوک الی الشیطان اورسلوک الی الھاویہ ہے۔علمی بیان میں یوں کہئے کہ جس طرح حادث کا ربط قدیم سے اورمتغیر کا ثابت سے کسی ایسے واسطہ اور رابطہ کا محتاج ہے جو ثبات وتغیر اورقدم و حدوث دونوں رخ رکھتا ہو کہ اگر یہ واسطہ نہ ہوتو فیض قدیم ثابت اس متغیر سے عبور نہ کرسکے جو سنت الٰہیہ میں حادث ہو اہے اور رابطہ کو نیہ وجود یہ حاصل نہ ہوگا۔ان دو کے درمیان، رابطہ، کے بارے میں ارباب علوم برہانی کی مختلف رائیں

[1] سورۂ نور، آیت ۴۰

ہیں۔ جب کہ ذوق عرفانی کا تقاضا اور ہی ہے، جس کی تفصیل کی ذمہ داری ان اوراق پر نہیں ہے۔ ذوق عرفانی میں رابطہ وفیض مقدس اور وجود منبسط ہے جو برزخیت کبریٰ اور وسطیت عظمیٰ کا مقام رکھتا ہے اور وہ بعینہ مقام روحانیت وولایت حضرت رسول ختمی مرتبتؐ ہے جو مقام ولایت مطلقہ علویہ سے متحد ہے۔ اس کی تفصیل راقم نے رسالہ (مصباح الھدایہ) میں درج کی ہے[1]

اسی طرح روحانی عروجی رابطہ میں جو رابطہ کو نیہ نزولیہ ہے اور دوسرے لفظوں میں وجود کو گرفت میں لینا اور اسے اس کے مبدا اول کی طرف پلٹانا ایک واسطہ کی احتیاج رکھتا ہے جس کے بغیر نہ یہ گرفت وجود میں آسکتی ہے نہ مبدا کی طرف رجوع ناقص اور مقید قلوب اور محدود اور پستی میں رہنے والی روحوں کو ایک کامل فوق الکمال اور تام فوق التمام اور مطلق علی الاطلاق سے ارتباط دینا بغیر روحانی واسطوں اور غیبی رابطوں کے وجود میں نہیں آسکتا۔

اور اگر کسی کو یہ گمان ہو کہ حق تعالیٰ تو ہر موجود کا قیوم ہے اور ہر کون بغیر وسائط کے محیط ہے (پھر آپ کے بیان کردہ طول عمل سے کیا حاصل ہے؟) چنانچہ آیہ شریفہ "مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا". [2] (کوئی بھی چلنے پھرنے والا ایسا جاندار نہیں جس کی چوٹی اس کے قبضۂ قدرت میں نہ ہو) میں یہی اشارہ کیا گیا ہے (تو ہم جواب میں کہتے ہیں کہ یہ گمان) مقامات میں اختلاط اور اعتبارات میں اشتباہ سے پیدا ہوا ہے اور کثرت وجود کے مراتب کے مقام کو ساحت تعینات سے خلط ملط کر دیا گیا ہے۔

اس بحث کو اس رسالہ سے کوئی ربط نہیں۔ اس قدر بھی سبقت قلم کے سبب سے حوالہ قرطاس ہو گیا ہے۔

وبالجملہ، اولیائے نعمت سے تمسک جو خود معارج کی طرف جانے کی راہ دریافت کر چکے ہیں اور سیر الی اللہ کی تکمیل کر چکے ہیں۔ سیر الی اللہ کی لوازم میں سے ہیں۔ جیسا کہ احادیث شریفہ میں اس کی طرف بہت اشارہ کیا گیا ہے

---

[1] مصباح الھدایہ عربی زبان میں حضرت امام خمینی قدس سرہ الشریف، کی ایک کتاب ہے جس میں خلافت و ولایت سے متعلق حقائق و معارف بیان کئے گئے ہیں۔ اس کتاب کے مقدمہ میں یوں رقم فرمایا ہے:

انی احببت ان اکشف لك فی هٰذه الرسالة، بعون الله، ولی الهداية فی البداية والنهاية طليعة من حقيقة الخلافة المحمدية ورشحة من حقيقة الولاية العلوية عليهما التحيات الازلية الابدية، وكيفية سريانهما فی عوالم الغيب والشهادة... وبالحری ان نسميها، مصباح الهداية الی الخلافة والولاية، ورجو من الله التوفيق فانه خير معين ورفيق واستمد من اوليائه الطاهرة فی الدنيا والاخرة.

یہ کتاب ماہ شوال، ۱۳۴۹، ہجری قمری میں مکمل ہوئی ہے

[2] سورۂ ہود: ۵۶

اور وسائل الشیعہ میں ایک مستقل باب اس عنوان پر قائم کیا ہے کہ (ولایت وامامت ائمہؑ کے بغیر عبادت باطل ہے) کافی شریف میں خود اپنی سند سے روایت کی ہے کہ محمد بن مسلم کہتے ہیں: (میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو سنا، وہ فرماتے تھے، جان لواے محمد! یقیناً امامان جور اوران کے پیرو دین خدا سے دور ہیں اور گمراہ ہیں۔لہٰذا جو اعمال وہ کرتے ہیں وہ ایسی راکھ کے مانند ہیں جسے سخت طوفانی ہوا ادھر ادھر اڑا کر لے جاتی ہے اور منتشر کردیتی ہے۔ [1]

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت امام باقر علیہ السلام نے فرمایا: اگر کوئی شخص راتوں کو عبادت میں قیام کرے اور دنوں میں روزہ رکھے اور اپنا تمام مال تصدق کردے اور تمام عمر حج بجالاتا رہے اور ولی خدا کی ولایت کو نہ پہنچانتا ہو تاکہ اس سے موالات رکھے تو اس کے تمام اعمال اس کی شکایت کریں گے اور اس کے لئے نہ پیش خدا کوئی ثواب ہے اور نہ وہ اہل ایمان سے ہے۔ [2]

شیخ صدوقؒ نے اپنی سند سے ابوحمزہ ثمالی سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں: حضرت علی بن الحسین علیہما السلام نے ہم سے فرمایا: تمام زمینوں میں کون سی زمین سب سے افضل ہے؟ ہم نے کہا: خدا ورسولؐ اور فرزند رسول علیہ السلام بہت جانتے ہیں۔فرمایا: سب سے افضل زمین ہمارے لئے رکن ومقام کے درمیان ہے۔اگر کوئی عمر نوحؑ پائے اور اپنی قوم میں نوحؑ کی طرح ساڑھے نوسو برس رہے اور دنوں میں روزہ رکھے اور راتوں کو عبادت میں اس مکان میں قیام کرے پھر ہماری ولایت کے بغیر خدا سے ملاقات کرے تو اس کا روزہ،نماز اور قیام کچھ نفع نہ بخشے گا۔ [3]

اس سلسلہ میں روایات اس مختصر رسالہ کی گنجائش سے بہت زیادہ ہیں۔

رسالت کی شہادت کے آداب یہ ہیں کہ رسالت کی برحق اور سچی شہادت اور مقام رسالت کی عظمت کو قلب تک پہنچائے،خصوصا رسالت حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ،کی شہادت اور عظمت کو،عوالم غیب وشہود کا تمام دائرۂ وجود تکوینی ہو یا تشریعی ،وجودی ہو یا ہدایتی آنحضرتؐ ہی کے خوان نعمت کا ریزہ خواہ ہے اور وہ حضرت فیض حق کا واسطہ اور حق وخلق کا درمیانی رابطہ ہیں اور اگر ان کی روحانیت وولایت مطلقہ کا مقام نہ ہوتا تو موجودات میں نہ تو کوئی مقام غیب احدیت سے استفادہ کے لائق ہوتا اور نہ ہی فیض حق کا گزر کسی موجود کی طرف ہوتا اور ظاہر و باطن کسی عالم میں بھی نور

---

[1] وسائل الشیعہ ،جلد ا،ص ۹۰،ابواب مقدمہ العبادات، باب ۲۹، حدیث ا، اصول کافی، جلد ا،ص ۲۵۹، کتاب الحجہ، باب معرفت الامام والردالیہ، حدیث ۸

[2] اصول کافی، ج ۳،ص ۳۰،کتاب الایمان والکفر ،باب دعائم الاسلام، حدیث ۵

[3] عقاب الاعمال، باب من جہل حق اہل بیت علیہم السلام، حدیث ۲، وسائل الشیعہ ،جلد ا،ص ۹۳،ابواب مقدمۃ العبادات، باب ۲۹، حدیث ۱۲

ہدایت کی جلوہ ریزی نہ ہوتی۔ آنحضرتؐ وہ نور ہیں کہ آیۂ نور میں آیا ہے۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ [1]

جب شارع دین اور رسول رب العالمین کی عظمت انسان کے قلب میں جگہ بنالے گی تو احکام وسنن کی عظمت خود بخود دل میں پیدا ہوجائے گی اور جب قلب اس عظمت کا ادراک کر لے گا تمام ملکی اور ملکوتی قوتیں دل کی تابع ہو جائیں گی اور شریعت مقدسہ تمام انسانی مملکت میں نافذ ہوجائے گی اور شہادت کے سچا ہونے کی علامت یہ ہے کہ تمام غیبی اور ظاہری قوتوں میں اس کے آثار ظاہر ہو جائیں اور اس سے روگرداں نہ ہوں۔ جیسا کہ سابق میں اشارہ کیا جاچکا ہے۔

اب تک جو کچھ ذکر ہوا اس سے رسالت کی شہادت کا اذان و اقامت اور نماز سے رابطہ معلوم ہو گیا، کیونکہ سالک اس طریق روحانی میں اس وجود مقدس سے تمسک کا محتاج ہے تاکہ اسکی مصاحبت ودستگیری سے اس عروج روحانی کا مظاہرہ کرے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس شہادت سے ملکی اور ملکوتی قوتوں میں یہ اعلان کرنا ہے کہ نماز، جو معراج مومنین کی حقیقت اور ارباب عرفان اور اصحاب ایقان کے معارف کا سرچشمہ ہے، حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کشف تام کا نتیجہ ہے جنہوں نے خود سلوک روحانی، جذبات الٰہیہ اور تجلیات رحمانیہ سے مقام "قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى" [2] (دو کمان کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا) تک پہنچ کر ذاتی، اسمائی اور صفاتی تجلیات اور غیب احدی کے حضور میں انس کے الہامات کے اتباع سے حقیقت کا کشف فرمایا اور درحقیقت اس معنوی وروحانی سفر سے واپسی پر اپنی امت کے لئے جو خیر الامم ہے، یہ سوغات لے کر آئے ہیں اور ان کے احسان مند اور غرق نعمت کر دیا ہے۔

جب یہ عقیدت دل میں قرار پاجائے اور تکرار کے ذریعہ جاگزیں ہوجائے تو ضرور سالک کو عظمت مقام اور کرامت محل کا ادراک ہوگا اور خوف ورجاء کے قدموں سے اس مرحلہ کو طے کر لے گا اور امید ہے کہ انشاءاللہ اگر مقدور بھر بھی قیام امر کر لیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے دستگیر ہوں گے اور اس کو احدیت کے مقام قرب تک پہنچائیں گے جو حقیقی مقصد اور فطری آرزو ہے۔ علوم الٰہیہ میں ثابت ہو چکا ہے کہ تمام موجودات کی معاد ایک انسان کامل کے واسطہ سے وجود میں آتی ہے۔ "كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ" [3] (اسی طرح جس طرح تم کو شروع میں پیدا کیا تھا واپس پلٹو گے)۔

---

[1] سورۂ نور، آیت ۳۵

[2] سورۂ نجم، آیت ۹

[3] سورہ اعراف، آیت ۲۹

بِكُمْ فَتَحَ اللّٰهُ وَبِكُمْ يَخْتِمُ وَاِيَابُ الْخَلْقِ اِلَيْكُمْ [۱]

خدا نے تم سے ابتدا کی اور تمہیں پر انتہا کرے گا اور تمام مخلوق کی بازگشت تمہاری طرف ہے۔

نکتہ عرفانیہ

علل الشرائع کی ایک حدیث میں، جس میں صلوۃ معراج کی تفصیل بیان ہوئی ہے اور توصیف کی گئی ہے، وارد ہے کہ (جب جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی جانب سے نازل کی گئی محمل نور میں جبریلؑ کے ساتھ معراج میں تشریف لے گئے اور آسمان دوم تک پہنچے تو ملائکہ (رعب وجلال کی تاب نہ لا کر) بھاگے پھر سجدہ میں گر گئے اور تسبیح میں مشغول ہو گئے۔ اور جبریلؑ نے کہا: (اشھد ان محمداً رسول اللہ، اشھد ان محمداً رسول اللہ) ملائکہ جمع ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کرنے لگے اور امیر المؤمنینؑ کا حال پوچھنے لگے۔ آسمان کے در کھل گئے اور حضرتؐ آسمان چہارم کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں ملائکہ نے کچھ نہیں کہا۔ پھر آسمان کے دروازے کھلے اور ملائکہ جمع ہو گئے اور جبریلؑ نے اقامت کہی، الحدیث [۲]

تفسیر عیاشی میں بھی قریب قریب یہی مضمون وارد ہوا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام آسمانوں میں سے کسی ایک آسمان کے ملائکہ میں جمال محمدیؐ کے مشاہدہ کی طاقت نہ تھی اور اس نور مقدس کو دیکھ دیکھ کے سجدے میں گر جاتے تھے اور ادھر اُدھر منتشر ہو جاتے تھے اور انہیں وہم ہوتا تھا کہ یہ نور مطلق الٰہی ہے۔ مگر اذان و اقامت کی فصلوں کو سن کر مایوس ہو جاتے تھے۔ ابواب سماوات وا ہو جاتے تھے اور پردے ہٹ جاتے تھے۔

لہٰذا سالک کو چاہئے کہ ان شہادتوں کے واسطے سے حجابات سے باہر آئے اور رسالت کی شہادت دے کر تعین کے احتجاب سے کلی طور پر نکل آئے، کیونکہ مقام رسالت جسے خدا نے اشرف الخلق کے لئے معین کیا، دراصل فنائے مطلق کا مقام اور کامل طور پر غیر استقلالی ہے، کیونکہ رسالت مطلقہ، خاتمیہ، سب سے بڑی خلافت الٰہیہ برزخیہ ہے اور یہ خلافت ظہور و تجلی اور تکوین و تشریع سب کے لئے خلافت ہے اور خلیفہ کو خود کسی طرح کا بھی استقلال اور تعین نہیں ہونا چاہئے۔ ورنہ خلافت اصالت ہو جائے گی اور اصالت مخلوقات میں کسی کے لئے بھی ممکن نہیں ہے۔

لہٰذا سالک الی اللہ کو چاہئے کہ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلافت کبریٰ کی عظمت کے مقام کو باطن و قلب و

---

[۱] عیون اخبار الرضاؑ، جلد ۲، ص ۲۷۲، زیارت جامعہ کبیرہ

[۲] تفسیر نور الثقلین/ ج 3 / 111 / سورۃ الاسراء (17): الآیات ا اور ۲ کے ذیل میں ..... ص: 97

روح تک پہنچائے اور اس کے واسطہ سے حجابوں کو ہٹائے اور پردوں کو چاک کرے اور تعین خلقی کے پردوں سے یکسر باہر آجائے اس کے بعد اس کے لئے تمام آسمانوں کے ددروازے کھل جائیں گے اور کسی رکاوٹ کے بغیر اپنے مقصد کو پالے گا۔

فرع فقہی اور اصل عرفانی:

بعض غیر معتبر روایات میں وارد ہوا ہے کہ، رسالت کی شہادت کے بعد اذان میں (اشھد ان علیاً ولی اللہ، مرتین (دومرتبہ) کہیں اور بعض روایات میں ہے کہ کہ (اشھد ان امیر المؤمنینؑ حقاً، مرتین) کہیں اور بعض دوسری روایات میں ہے کہ (محمد وآل محمد خیر البریۃ) کہیں اور شیخ صدوقؒ نے ان روایات کو مفوضہ کے ایجادات وموضوعات میں شمار کیا ہے اور ان کی تکذیب کی ہے [۱]

اور علماء کے درمیان مشہور یہی ہے کہ یہ روایات قابل اعتماد نہیں اور بعض محدثین نے اسے (تسامح فی ادلۃ السنن) کی بنیاد پر اذان کا ایک مستحب جزء قرار دیا ہے اور یہ قول بعید از صواب نہیں ہے۔ اگر چہ قربت مطلقہ کی نیت سے کہنا اولیٰ واحوط ہے، کیونکہ رسالت کی شہادت کے بعد ولایت وامارت مومنین کی شہادت مستحب ہے۔ چنانچہ (احتجاج) میں ہے کہ قاسم بن معاویہ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ اہل سنت معراج کے بارے میں ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ جب آپؐ معراج کے لئے تشریف لے گئے تو عرش پر لکھا دیکھا، (لا الہ الا اللہ، محمد رسول اللہ، ابوبکر الصدیق۔۔۔) امامؑ نے فرمایا: سبحان اللہ، سب کچھ تو بدل ہی دیا تھا یہ بھی بدل دیا! کہا: جی ہاں! امامؑ نے فرمایا: خدائے عزوجل نے جب عرش کو خلق فرمایا تو اس پر لکھا (لا الہ الا اللہ، محمد رسول اللہ، علی امیر المؤمنین) اس کے بعد یہی نوشتہ پانی، کرسی، لوح، اسرافیل کی پیشانی، جبریلؑ کے دونوں بازوؤں، آسمانوں کے شانوں، زمینوں، پہاڑ وں کی جوٹیوں اور آفتاب وماہتاب پر نقل کیا۔ پھر امامؑ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی (لا الہ الا اللہ، محمد رسول اللہ، کہے تو علی امیر المؤمنین، بھی کہے [۲]

خلاصہ یہ ہے کہ یہ ذکر شریف رسالت کی شہادت کے بعد مستحب ہے اور بعید نہیں خصوصاً اذان کی فصلوں میں مستحب قرار پائے اگر چہ ان روایات سے بعض بزرگ علماء کے انکار کی وجہ سے احتیاط کا تقاضا ہے کہ قصد قربت مطلقہ

---

[۱] من لا یحضر الفقیہ، جلد ۱، ص ۱۸۸، کتاب الصلاۃ باب الاذان والاقامۃ، وثواب المومنین، ذیل روایت ۳۵

[۲] الاحتجاج، جلد ۱، ص ۲۳۰

کے ساتھ کہے اوراذان میں خصوصیت کی نیت نہ رکھے۔عرش کی بلندیوں سے زمینوں کی تہوں تک تمام موجودات پر ان کلمات کو لکھنے کا عرفانی نکتہ یہ ہے کہ خلافت و ولایت کی حقیقت الوہیت کا ظہور ہے اور الوہیت اصل وجود وکمال وجود ہے اور جس موجود کو بھی وجود کا کوئی حصہ ملا ہے وہ حقیقت الوہیت اورظہور الوہیت ہی سے ملا ہے جو خلافت وولایت کی حقیقت ہے اور یہ لطف الٰہی عوام غیب سے منتہائے عالم شہادت تک کائنات کے اس سرے سے اس سرے تک سب کی پیشانی پر (مہر کی طرح) ثبت ہے اور یہ لطف الٰہی وجود منبسط کی حقیقت، نفس الرحمٰن، اورحق مخلوق بہ، (مقصد تخلیق کا حق) ہے جو بعینہ خلافت ختمیہ اورولایت مطلقہ علویہ ہے۔اسی وجہ سے شیخ عارف شاہ آبادی دام ظلہ فرماتے تھے کہ ولایت کی شہادت خودبخود رسالت کی شہادت میں شامل ہے، کیونکہ ولایت باطن رسالت ہے۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ الوہیت کی شہادت میں مجموعی طور سے شہادتیں (شہادت رسالت اور شہادت ولایت) شامل ہیں اوررسالت کی شہادت میں شہادت الوہیت اورشہادت ولایت شامل ہیں اور شہادت ولایت میں شہادت الوہیت اورشہادت رسالت شامل ہیں۔

والحمد للہ اولا وآخرا۔

فصل پنجم

حیعلات کے بعض آداب

جب سالک الی اللہ نے تکبیریں کہہ کے حق تعالٰی کی صفت (کبریائی) کے ذریعہ اس کی عظمت کا اعلان کر دیا اور الوہیت کی گواہی دے کر توصیف وتحمید، بلکہ ہر تاثیر کو اس کی ذات میں منحصر قرار دے دیا اور خود کو قیام امر کے لئے نااہل قرار دے لیا اور رسالت وولایت کی گواہی دے کہ تمام اختیارات کو رسالت وولایت کا رفیق ومصاحب مان لیا اور خود مقام خلافت وولایت سے تمسک اختیار کر لیا۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔"الرَّفِيقَ ثُمَّ الطَّرِيق."،[1]

تو اس کے بعد صریح لہجہ میں ملکی وملکوتی قوتوں کو نماز کے لئے تیار کرنا چاہئے اور ان میں (حی علی الصلاۃ) کہہ کر حاضری کا اعلان کرنا چاہئے۔ اس کی تکرار یا تو اس لئے ہے کہ تا کہ مکمل طور سے آگاہی اور پوری طرح بیداری پیدا ہو یا ان دونوں میں سے ایک مملکت کی داخلی قوتوں کی آگاہی وبیداری کے لئے اور دوسری مملکت کی خارجی قوتوں کی آگاہی کے لئے، کیونکہ وہ بھی اس سفر میں انسان کے ساتھ سالک ہیں۔ جیسا کہ اشارہ کیا جا چکا اور آئندہ بھی کیا جائے گا۔

اس مقام میں سالک کے لئے ادب یہ ہے کہ اپنے قلب اور قوتوں کو سمجھائے اور باطن کو بتائے کہ محضر حق میں حاضری کا وقت قریب ہے تا باطن قلب خود کو حاضری کے لئے تیار کر لے۔ آداب صوریہ ومعنویہ کی پوری طرح محافظت کرے۔ اس کے بعد نماز کے راز اور اس کے نتیجے اور فائدہ کا اجمالا اعلان کرے یہ کہہ کے (حی علی الفلاح، حی

---

[1] وسائل الشیعہ، ج۸، ص ۲۹۹، کتاب الحج، ابواب آداب السفر، باب ۳۰، حدیث ۱۱، نقل از محاسن برقی، ص ۳۵۷، بعض دوسری روایات میں بھی یہ مضمون وارد ہوا ہے، جیسے "سئل عن الرفيق قبل الطريق"، نہج البلاغہ، فیض الاسلام، ص ۹۳۶، اور "الرفيق ثم السفر"، الاشعثیات، ص ۱۶۴، باب سوء الجوار

علی خیر العمل) تاکہ فطرت بیدار ہو جائے، کیونکہ فلاح ونجات سب سے بڑی سعادت ہے اور ہر انسان کی فطرت سب سے بڑی سعادت کی عاشق ہوتی ہے، کیونکہ فطرت کمال طلب اور راحت طلب ہے اور سعادت کی حقیقت کمال مطلق اور راحت مطلق ہے اور یہ بات نماز میں جو خیر الاعمال ہے قلبی و قالبی اور ظاہری و باطنی ہر اعتبار سے حاصل ہوتی ہے، کیونکہ نماز صورت وظاہر کے لحاظ سے ایک بڑا اور جامع ذکر ہے اور اسم اعظم کے ذریعہ ثنائے الٰہی ہے جو تمام شئون الٰہیہ کا جامع ہے۔ اسی لئے اذان و اقامت کا آغاز بھی (اللہ) سے ہوتا ہے اور اختتام بھی ''اللہ'' پر ہوتا ہے اور نماز کے تمام حالات و انتقالات میں، اللہ اکبر، ہی کی تکرار ہوتی ہے اور (توحیدات ثلاثہ) توحید ذات، توحید صفات اور توحید افعال، جو اولیائے خدا کی خنکی چشم ہیں، نماز ہی سے حاصل ہوتی ہیں اور اس میں فنائے مطلق اور رجوع کامل کی صورت ملی ہوئی ہے اور باطن وحقیقت کے اعتبار سے قرب حق کی معراج اور جمال جمیل ملطق تک رسائی اور اس ذات مقدس میں فنا کی حقیقت ہے۔ فطرت جس کی شیدا ہے اور کامل طمانینت، مطلق راحت اور مکمل عقلی سعادت اسی سے حاصل ہوتی ہے

''اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ''[1]

ہاں! یاد خدا سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔

اس طرح کمال مطلق، جو ساحت الٰہی تک رسائی، وجوب کے لامتناہی سمندر سے اتصال، جمال ازل کا مشاہدہ اور نور مطلق کے دریا میں مستغرق ہونا ہے، نماز ہی میں حاصل ہوتا ہے اور راحت مطلق، استراحت تام اور طمانینت کامل بھی اسی سے پیدا ہوتی ہے اور سعادت کے دونوں رکن حاصل ہوتے ہیں۔ لہٰذا نماز فلاح مطلق ہے اور یہ خیر الاعمال ہے اور سالک کو چاہئے کہ یہ لطف الٰہی تکرار اور تذکر کے ذریعہ قلب کو سمجھائے اور فطرت کو بیدار کرے۔ دل میں وارد ہونے کے بعد فطرت کمال وسعادت طلبی کے رخ کو اہمیت دے گی اور اس کی محافظت ونگرانی کرے گی۔ ان کی تکرار میں بھی یہی نکتہ پوشیدہ ہے جو بیان کیا گیا۔

سالک جب اس مقام تک پہنچ گیا تو اب حاضری کا اعلان کرے کہ (قد قامت الصلاۃ) اور اب چاہئے کہ خود کو عوالم وجود کے مالک الملوک، سلطان السلاطین اور عظیم مطلق کے حضور میں سمجھے اور اپنے دل کو اس حضور کے وہ خطرات سمجھائے رہے جو سب کے سب قصور اور امکانی تقصیر سے پیدا ہوتے ہیں اور قیام امر نہ کرنے پر کمال شرمندگی وخجالت کے ساتھ اور امید وبیم کے قدموں سے وارد ہو اور کریم کی بارگاہ میں پہنچے۔ خود کو صاحب زاد واسباب سفر نہ سمجھے اور اپنے دل کو سلامتی سے خالی سمجھے اور اپنے عمل کو نیکیوں میں شمار نہ کرے اور معمولی سکے کی قیمت کے برابر بھی نہ خیال کرے۔

---

[1] سورۂ رعد، آیت ۲۸

اگر یہ حال اس کے دل میں مستحکم ہوگیا تو امید ہے کہ عنایات الٰہی سے مستفید ہوگا۔

اَمَّنۡ یُّجِیۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکۡشِفُ السُّوۡٓءَ. [۱]

کون ہے جو مضطر و بے قرار کی دعا و پکار کو قبول کرتا ہے۔ جب وہ اسے پکارتا ہے؟

وصل و تتمیم:

محمد بن یعقوب، باسنادہ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام، قال: إِذَا أَذَّنْتَ وَ أَقَمْتَ، صَلّى خَلْفَكَ صَفَّانِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ، وَإِذَا أَقَمْتَ، صَلّى خَلْفَكَ صَفٌّ مِنَ الْمَلَائِكَةِ. [۲]

جب تم اذان و اقامت کہتے ہو تو ملائکہ کی دو صفیں تمہارے پیچھے نماز پڑھتی ہیں اور جب صرف اقامت کہتے ہو تو ملائکہ کی ایک صف تمہارے پیچھے نماز پڑھتی ہے۔

اور اس مضمون کی بہت حدیثیں ہیں۔ بعض احادیث میں ہے کہ ہر صف کی حد مشرق سے مغرب تک ہے [۳] ثواب الاعمال میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھے اس کے پیچھے ملائکہ کی دو صفیں نماز پڑھتی ہیں اور جو شخص بغیر اذان کے صرف اقامت کے ساتھ نماز پڑھے اس کے پیچھے ملائکہ کی ایک صف نماز پڑھتی ہے۔ روای نے پوچھا کہ ہر صف کی مقدار کیا ہوتی ہے؟ فرمایا: کم سے کم مشرق و مغرب کے درمیانی فاصلہ کے برابر اور زیادہ سے زیادہ زمین و آسمان کے درمیانی فاصلہ کے برابر [۴]

بعض روایتوں میں ہے کہ اگر اذان کے بغیر اقامت کہتا ہے تو ایک ملک اس کے داہنی طرف اور ایک بائیں طرف کھڑا ہوتا ہے۔ [۵]

اس کے علاوہ بھی احادیث ہیں۔ احادیث میں جو کچھ اختلاف ہے، ممکن ہے وہ نماز گزاروں کی معرفت اور خلوص کے اختلاف پر مبنی ہو۔ جیسا کہ اس موضوع سے متعلق احادیث سے پتہ چلتا ہے۔ جیسے وہ روایت جو اس نماز

---

[۱] سورۂ نمل: ۶۲

[۲] فروع کافی، جلد ۳، ص ۳۰۳، کتاب الصلاۃ، باب بدء الاذان و اقامۃ، حدیث ۸

[۳] ثواب الاعمال، ص ۵۴، ثواب من صلی باذان و اقامہ، حدیث ۲

[۴] ثواب الاعمال، ص ۵۴، ثواب من صلی باذان و اقامہ، حدیث ۲

[۵] وسائل الشیعہ، ج ۴، ص ۶۲۰، کتاب الصلاۃ، ابواب الاذان و اقامہ، باب ۴، حدیث ۴

کے متعلق وارد ہوئی ہے جو بیابان یا بے آب و گیاہ زمین میں اذان و اقامت کے ساتھ ادا کی جائے۔ [1]

وبالجملہ، جب سالک خود کو ملائکۃ اللہ سے آگے اور اپنے قلب کو ملکی وملکوتی قوتوں کے پیشوا کی حیثیت سے دیکھے اور اذان و اقامت کے ذریعہ اپنی ملکی اور ملکوتی قوتوں کو مجتمع کر لے اور ملائکۃ اللہ اس کے گرد جمع ہو جائیں تو قلب کو جو ظاہری و باطنی قوتوں میں سب سے افضل ہے اور دوسری قوتوں کا سفارشی بھی ہے، امام قرار دے لینا چاہئے اور چونکہ قلب ماموین کی قرائت کا ذمہ دار ہے اور دوسروں کی ذمہ داری کا بار بھی اس کے اوپر ہے تو چاہئے کہ اس کی مکمل محافظت اور اچھی نگرانی کرے تا کہ وہ حاضری اور محضر کا احترام کرے اور مقام قدس میں ادب کے ساتھ قیام کرے اور اس پاکیزہ اجتماع کو غنیمت جانے اور ملائکۃ اللہ کی توجہ اور تائید کو بڑی بات سمجھے اور حقیقی ولی نعمت کے انعامات کو پہنچانے اور ان نعمتوں کے شکریہ کے ذریعہ اپنے عجز وقصور کو بارگاہ مقدس میں پیش کرے۔

انہ ولی النعم

[1] وسائل الشیعہ، ج ۴، ص ۶۲۰، کتاب الصلاۃ، ابواب الاذان و اقامہ، باب ۴، حدیث ۹، یا اباذر. ان ربك لیباھی ملائکته بثلاثة نفر رجل فی ارض قفراء...

باب دوم

قیام

اس میں دو فصلیں ہیں

فصل اول

قیام کا مجموعی رمز

جاننا چاہیئے کہ اہل معرفت کے نزدیک قیام، توحید افعال کی طرف اشارہ ہے جس طرح رکوع، توحید صفات کی طرف اور سجود توحید ذات کی طرف اشارہ ہے۔ رکوع و سجود ان کے محل پر آئے گا۔ اس بات کی وضاحت کہ قیام توحید افعال کی طرف اشارہ ہے، یہ ہے یہ خود قیام اپنی وضع کے اعتبار سے اور قرائت لفظ کے اعتبار سے اسی مقام کی طرف اشارہ ہے۔

قیام وضع کے اعتبار سے اس کی طرف اشارہ ہے۔ یہ اس طرح کہ اس میں بندہ کے حق کے ساتھ قیام اور مقام قیومیت حق کی طرف اشارہ ہے جو فیض مقدس کی تجلی اور تجلی فعلی ہے اور اس تجلی میں فاعلیت حق کا اظہار ہوتا ہے اور تمام موجودات تجلی فعلی میں فانی اور کبریائی ظہوری کے تحت مستھلک ہو جاتے ہیں۔ سالک کے لئے ادب عرفانی اس مقام پر یہ ہے کہ یہ الٰہی لطف قلب کو یاد دلائے اور جس قدر ممکن ہو تعینات کو ترک کر دے اور فیض مقدس کی حقیقت قلب کو یاد دلائے۔ نیز قیومیت حق کو اور یہ کہ خلق کے قوام و وجود کی علت حق تعالٰی ہی ہے، باطن قلب تک پہنچائے۔ جب یہ حقیقت قلب سالک میں جاگزیں ہو جائے گی تو اس کی قرائت زبان حق سے واقع ہو گی اور ذاکر و مذکور دونوں حق ہو جائیں گے اور بعض اسرار قدر کا قلب عارف پر کشف ہو جائے گا اور "أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ".[1] (تو ویسا

---

[1] سجدہ میں دعائے حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک حصہ، فروع کافی، ج ۳، ص ۳۲۴، مصباح الشریعہ، باب ۵، عوالی اللئالی، ج ۱، ص ۳۸۹، حدیث ۲۱

ہی ہے جیسا تو نے اپنا وصف بیان کیا ہے)۔ اور "وَ أَعُوذُبِكَ مِنْكَ"[1] (تجھ سے تیری ہی پناہ میں جانا چاہتا ہوں) کا راز ایک حد تک اس پر منکشف ہو جائے گا۔ بعض اسرار نماز کو قلب عارف دریافت کر لے گا۔ جیسا کہ محل سجود پر نظر کرنے سے جو مٹی اور اصلی خلقت انسان، گردن نیچی رکھنے اور سر جھکائے رکھنے میں جو مٹی کا لازمہ ہے، ممکن کی ذلت وفقر اور عزت سلطنت کبریا کے تحت فانی ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ.[2]

اے لوگو! تم (سب) اللہ کے محتاج ہو اور اللہ ہی بے نیاز ہے جو قابلِ تعریف ہے۔

یہ بات کہ قرائت میں لفظی طور سے توحید فعلی کی طرف اشارہ ہے، سورہ مبارکہ توحید کی تفسیر میں اس کی تفصیل آئے گی۔

انشاء اللہ

[1] سجدہ میں پیغمبر اکرمؐ کی دعا کا ایک حصہ، فروع کافی، ج ۳، ص ۳۲۴، مصباح المتہجد وسلاح المتعبد، ص ۳۰۸

[2] سورۂ فاطر: ۱۵

فصل دوم

آداب قیام

قیام کا ادب یہ ہے کہ سالک خود کو محضر حق میں حاضر سمجھے اور عالم کو محضر ربوبیت جانے اور خود کو حاضر مجلس اور بارگاہ خدا میں مقیم سمجھے۔ حاضر و محضر کی عظمت قلب تک پہنچائے اور حق سے مناجات کی اہمیت اور اس مقام کے خطرات قلب کو سمجھائے اور نماز میں وارد ہونے سے پہلے ہی تفکر و تدبر سے قلب کو حاضر کرے اور اسے مقصد کی اہمیت سے آگاہ کرے۔ خشوع و خضوع، طمانینت و خشیت، خوف و رجاء اور ذلت و مسکنت آخر نماز تک دل کے لئے لازم قرار دے اور قلب سے شرط کرے کہ ان باتوں کی محافظت و نگرانی کرتا رہے۔ بزرگان دین اور ہادیان طریق کے احوال میں تفکر و تدبر کرے کہ ان پر نماز میں کیسی حالت طاری ہوجاتی تھی اور مالک الملک سے وہ کیسا معاملہ رکھتے تھے۔ ائمہ ھدیٰ علیہم السلام کے حالات کو نمونہ عمل بنائے اور ان کی سیرت پر عمل کرے اور ائمہ معصومینؑ و بزرگان دین کی تاریخ سے صرف تاریخ و روز ولادت و وفات اور عمر شریف وغیرہ معلوم کرنے ہی پر اکتفا نہ کرے۔ جس سے کوئی بہت بڑا فائدہ حاصل ہونے والا نہیں ہے، بلکہ سیر ایمانی و سلوک عرفانی میں ان کی بہترین سیر اور بے مثال سلوک پر نظر ہونا چاہئے کہ ان بزرگوں کے معاملات بندگی معبود میں کیا تھا۔ سیر الی اللہ میں ان کی رفتار کیسی تھی اور ان کے مقامات عرفانی کس درجہ بلند تھے جو ان کی زبان سے نکلے کلمات معجز آیات سے معلوم ہو سکتے ہیں۔

افسوس کہ ہم اہل غفلت جو مادیات کے نشہ میں چور اور بے مایہ ہونے کے ساتھ ہی فریب کھائے ہوئے تمام ہی امور میں شیطان ملعون کا نشانہ بنے ہوئے ہیں اور کسی وقت بھی خواب گراں اور نسیاں بے پایاں سے باہر نہیں آتے۔ ائمہ ھدیٰ علیہم السلام کے معارف و مقامات سے ہم اس قدر کم اور معمولی فائدہ اٹھاتے ہیں کہ جو حساب میں درست نہیں بیٹھتا۔

ان کی تاریخ حیات سے ہم نے صرف قشر اور ظاہری صورت کو لے لیا ہے اور بعثت انبیاء علیہم السلام کی غرض و غایت سے کلی طور پر صرف نظر کئے ہوئے ہیں۔ ہم ''استمسن ذا ورم''[۱] جیسی کہاوتوں کے مصداق بن گئے ہیں۔

ہم اب اس مقام پر بعض روایتوں کا ذکر کرتے ہیں جو اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں۔ شاید برادران ایمانی میں سے کسی کے لئے تذکر و یادآوری کا سبب ہوں، والحمد للہ ولہ الشکر۔

عن محمد بن یعقوب بأسنادہ عن ابی عبدالله، قال: کان علی بن الحسین علیهما السلام، إِذَا قَامَ فِي الصَّلَاةِ تَغَيَّرَ لَوْنُهُ فَإِذَا سَجَدَ لَمْ يَرْفَعْ رَأْسَهُ حَتَّى يَرْفَضَّ عَرَقا.[۲]

حضرت علی بن الحسین علیہما السلام جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو آپؑ کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا اور جب سجدے میں جاتے تھے تو سر نہیں اٹھاتے تھے یہاں تک کہ پسینہ آپؑ کے چہرے سے ٹپکتا تھا۔

وباسنادہ عنه علیه السلام، قال: کان ابی یقول: کان علی بن الحسین إِذَا قَامَ فِي الصَّلَاةِ كَأَنَّهُ سَاقُ شَجَرَةٍ لَا يَتَحَرَّكُ مِنْهُ شَيْءٌ إِلَّا مَا حَرَّكَتِ الرِّيحُ مِنْه.[۳]

میرے والد، امام محمد باقر علیہ السلام، فرماتے تھے کہ: علی بن الحسینؑ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو گویا درخت کی شاخ کی طرح ہوتے تھے جسے جتنی ہوا حرکت دیدے اس کے سوا حرکت نہیں کرتے تھے۔

وعن محمد بن علی بن الحسین فی اللعل باسنادہ عن ابان بن تغلب، قال: قلت لا بی عبدالله علیه السلام: إنی رأیت علیّ بن الحسین علیهما السّلام إذا قام إلی الصلاة غشی لونه لون آخر. فقال لی: و الله إنّ علیّ بن الحسین علیهما السلام کان یعرف الذی یقوم بین یدیه.[۴]

---

[۱] متورم کو موٹا سمجھ لیا، یہ ایک کہاوت ہے جو ظاہر سے دھوکہ کھانے اور غیر واقعی بات کو واقعی سمجھ بیٹھنے کے موقع پر بولی جاتی ہے۔

[۲] الکافی (ط - الاسلامیۃ) / ج3 / 300 / باب الخشوع فی الصلاۃ و کراہیۃ العبث ..... ص: 299

[۳] الکافی (ط - دارالحدیث) / ج6 / 110 / 16 - باب الخشوع فی الصلاۃ و کراہیۃ العبث ..... ص: 106

[۴] علل الشرائع، ص ۸۸، نقل از وسائل الشیعہ، ج ۴، ص ۶۸۵، کتاب الصلاۃ، ابواب افعال الصلاۃ، باب ۲، حدیث ۴

ابان بن تغلب کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: میں نے علی بن الحسین علیہما السلام کو دیکھا کہ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا، امام ؑ نے فرمایا: خدا کی قسم علی بن الحسینؑ اسے پہچانتے تھے جس کے لئے نماز پڑھتے تھے۔

وعن السيد على بن طاووس فى فلاح السائل فى حديث، فقال ابو عبدالله علیہ السلام: لَا يَتِمُّ الصَّلَاةُ إِلَّا لِذِى طُهْرٍ سَابِغٍ وَ تَمَامٍ بَالِغٍ غَيْرِ نَازِغٍ وَ لَا زَائِغٍ عَرَفَ فَوَقَفَ وَ أَخْبَتَ فَثَبَتَ فَهُوَ وَاقِفٌ بَيْنَ الْيَأْسِ وَ الطَّمَعِ وَ الصَّبْرِ وَ الْجَزَعِ كَأَنَّ الْوَعْدَ لَهُ صُنِعَ وَ الْوَعِيدَ بِهِ وَقَعَ يُذِلُّ عِرْضَهُ وَ يُمَثِّلُ غَرَضَهُ وَ بَذَلَ فِي اللهِ الْمُهْجَةَ وَ تَنَكَّبَ إِلَيْهِ الْمَحَجَّةَ غَيْرَ مُرْتَغِمٍ بِارْتِغَامٍ يَقْطَعُ عَلَائِقَ الِاهْتِمَامِ بِعَيْنِ مَنْ لَهُ قَصَدَ وَ إِلَيْهِ وَفَدَ وَ مِنْهُ اسْتَرْفَدَ.

فَإِذَا أَتَى بِذَلِكَ كَانَتْ هِيَ الصَّلَاةُ الَّتِي بِهَا أُمِرَ وَ عَنْهَا أُخْبِرَ وَ إِنَّهَا هِيَ الصَّلَاةُ الَّتِي تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَ الْمُنْكَرِ...... الحديث [1]

نماز کامل نہیں ہوتی مگر اسی کے لئے جو ہر رخ سے پاک و پاکیزہ ہو اور پوری تمامیت رکھتا ہو اور اس کا پورا حق ادا کرے اور وسوسہ اور انحراف سے دور ہو۔ خدا کو پہچانتا ہو اور اس کے لئے خشوع اختیار کرے اور ثابت قدم رہے اور اس حال میں کہ امید اور ناامیدی اور صبر و بے تابی کے درمیان کھڑا ہو۔ گویا اس سے وعدے کئے گئے ہیں اور اسے سزا کی وارننگ مل چکی ہے اپنی خوداری کو چھوڑ کر اپنا مقصد برابر نظر میں رکھے ہے اور جان راہ خدا میں دے چکا ہے اور اسی کا راستہ منتخب کر چکا ہے خاک پر ناک رگڑ نے (سجدہ) میں ذرا بھی کراہت دل میں نہیں پیدا ہونے دے رہا ہے اور اس کے علاوہ سب سے علاقہ توڑ کر صرف اسی کی طرف لگا ئے ہے اور اس کی بارگاہ میں حاضر ہے اور اسی سے طالب بخشش ہے۔ اگر ایسی نماز ادا کرے گا تو یہ وہی نماز ہوگی جس کا حکم دیا گیا ہے اور اسی کے بارے میں خبر دی گئی ہے اور یہی وہ نماز ہے جو فحشاء اور منکر سے روکتی ہے۔

وعن محمد بن يعقوب، باسناده الى مولانا زين العابدين عليه السلام، انه قال:

[1] بحار الأنوار (ط - بیروت) / ج 81 / 250 / باب 16 آداب الصلاة ..... ص: 226

فَأَمَّا حُقُوقُ الصَّلَاةِ فَأَنْ تَعْلَمَ أَنَّهَا وِفَادَةٌ إِلَى اللّٰهِ وَ أَنَّكَ فِيهَا قَائِمٌ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ فَإِذَا عَلِمْتَ ذٰلِكَ كُنْتَ خَلِيقاً أَنْ تَقُومَ فِيهَا مَقَامَ الْعَبْدِ الذَّلِيلِ الرَّاغِبِ الرَّاهِبِ الْخَائِفِ الرَّاجِي الْمُسْتَكِينِ الْمُتَضَرِّعِ الْمُعَظِّمِ مَقَامَ مَنْ يَقُومُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِالسُّكُونِ وَ الْوَقَارِ وَ خُشُوعِ الْأَطْرَافِ وَ لِينِ الْجَنَاحِ وَ حُسْنِ الْمُنَاجَاةِ لَهُ فِي نَفْسِهِ وَ الطَّلَبِ إِلَيْهِ فِي فَكَاكِ رَقَبَتِهِ الَّتِي أَحَاطَتْ بِهَا خَطِيئَتُهُ وَ اسْتَهْلَكَتْهَا ذُنُوبُهُ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ.[۱]

لیکن نماز کے حقوق (جن کی رعایت رکھنا چاہئے) یہ ہیں کہ تم یہ جان لو کہ نماز بارگاہ خدا میں حاضری ہے اور سمجھ لو کہ نماز میں خدا کے سامنے پیشی پر کھڑے ہو۔ جب تم یہ جان لو گے تو تم اس لائق ہوجاؤ گے کہ اس طرح نماز کے لئے کھڑے ہوسکو جیسے ایک بندۂ ذلیل کھڑا ہوتا ہے۔ طلب، رغبت اور (عذاب خدا سے) خود کے عالم میں (رحمت خدا کی) امید میں، پریشان حال، فریاد کناں وگریاں، جوسکون و وقار، اعضاء و جوارح میں خشوع، تواضع اور قلب کی اچھی مناجات سے اور اپنے فتویٰ کی نجات کی طلب میں جس کی خطاؤں نے اسے گرفتار کر رکھا ہے اور گناہوں نے ہلاک کر دیا ہے۔ اس عظیم ذات کے مقام کو عظیم سمجھے جس کی بارگاہ میں کھڑا ہے اور خدا کے علاوہ کوئی صاحب قوت نہیں۔

وعن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اعْبُدِ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ[۲]

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: اپنے پروردگار کی عبادت اس طرح کرو جیسے تم اس کو دیکھ رہے ہو، کیونکہ اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔

وعن فقہ الرضا علیہ السلام:

فَإِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَقُومَ إِلَى الصَّلَاةِ فَلَا تَقُومُ إِلَيْهَا مُتَكَاسِلًا وَ لَا مُتَنَاعِساً وَ لَا مُسْتَعْجِلًا وَ لَا مُتَلَاهِياً وَ لَكِنْ تَأْتِيهَا (عَلَى السُّكُونِ) وَ الْوَقَارِ وَ التُّؤَدَةِ وَ عَلَيْكَ الْخُشُوعُ وَ الْخُضُوعُ مُتَوَاضِعاً لِلّٰهِ جَلَّ وَ عَزَّ مُتَخَاشِعاً عَلَيْكَ خَشْيَةٌ وَ سِيمَاءُ

---

[۱] بحار الانوار (ط- بیروت)/ ج 81 / 248 / باب 16 آداب الصلاۃ ..... ص: 226

[۲] بحار الانوار، ۷۴، ص ۷۴، کتاب الروضہ، مواعظ النبیؐ، باب ۴، حدیث ۳، مکارم الاخلاق، ص ۴۵۹

الْخَوْفِ رَاجِياً خَائِفاً بِالطُّمَأْنِينَةِ عَلَى الْوَجَلِ وَ الْحَذَرِ فَقِفْ بَيْنَ يَدَيْهِ كَالْعَبْدِ الْآبِقِ الْمُذْنِبِ بَيْنَ يَدَيْ مَوْلَاهُ فَصُفَّ قَدَمَيْكَ وَ انْصِبْ نَفْسَكَ وَ لَا تَلْتَفِتْ يَمِيناً وَ شِمَالًا وَ تَحْسَبُ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ. الحديث [۱]

فقہ الرضاؑ سے نقل ہوا ہے کہ: جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو سستی کی حالت، نیند سے بوجھل ہو کر، جلد بازی اور لہو ولعب کے ساتھ نہ کھڑے ہوا کرو، بلکہ اطمینان و وقار کے ساتھ نماز ادا کیا کرو۔ لازم ہے کہ نماز میں خاشع و خاضع رہو اور خدا کے سامنے خاکساری اختیار کرو اور خوف و خشیت اپنے اوپر طاری رکھو۔ اس حال میں کہ امید و بیم کے عالم میں تم کھڑے ہو اور برابر نگراں اور چوکنا رہو۔ پس بھاگے ہوئے خطاوار غلام کی طرح جو واپس آیا ہے اور اپنے آقا کے دربار میں کھڑا ہے۔ درگاہ خدا میں کھڑا ہوا اپنے پیروں کو قریب کرلو۔ قامت کو سیدھا رکھو اور دائیں بائیں نظر نہ ڈالو اور یوں سمجھ لو جیسے تم خدا کو دیکھ رہے ہو کہ اگر تم اس کو نہ بھی دیکھ رہے ہو تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔

وفی عدۃ الداعی، روی: أَنَّ إِبْرَاهِيمَ ع كَانَ يُسْمَعُ تَأَوُّهُهُ عَلَى حَدِّ مِيلٍ حَتَّى مَدَحَهُ اللَّهُ تَعَالَى بِقَوْلِهِ إِنَّ إِبْراهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُنِيبٌ [۲] وَ كَانَ فِي صَلَاتِهِ يُسْمَعُ لَهُ أَزِيزٌ كَأَزِيزِ الْمِرْجَلِ وَ كَذَلِكَ كَانَ يُسْمَعُ مِنْ صَدْرِ سَيِّدِنَا رَسُولِ اللَّهِ ص مِثْلُ ذَلِكَ وَ كَانَتْ فَاطِمَةُ ع تَنْهَجُ فِي الصَّلَاةِ مِنْ خِيفَةِ اللَّهِ تَعَالَى. [۳] الی غیر ذلك من الاخبار۔

روایت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی آہ وزاری کی آواز ایک میل (چار ہزار ہاتھ) سے سنائی دیتی تھی۔ اس حد تک کہ خداوند عالم نے ان کی یوں مدح کی، یقیناً ابراہیم بردبار، بہت آہیں کھینچنے والے اور خدا سے توبہ اور ندامت کا اظہار کرنے والے تھے۔

نماز میں ان کے سینے کی آواز یوں سنائی دیتی تھی جیسے جوش کھائی ہوئی دیگ کی آواز ہو۔

[۱] مستدرک الوسائل، کتاب الصلاۃ، ابواب افعال الصلاۃ، باب ۱، حدیث ۷، نقل از فقہ الرضا، ص ۱۰۱، باب الصلوۃ المفروضہ
[۲] سورۂ ہود، آیت ۷۵
[۳] مستدرک الوسائل، کتاب الصلاۃ، ابواب افعال الصلاۃ، باب ۲، حدیث ۱۵

ایسی ہی آواز ہمارے آقا حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینے سے بھی سنائی دیتی تھی اور جناب فاطمہ صلواۃ اللہ علیہا پر نماز میں خوف خدا کی وجہ سے غیر معمولی حالت طاری ہو جاتی تھی اور ان کی سانسوں کو شمار کیا جا سکتا تھا۔

ان موضوعات پر احادیث شریفہ بہت ہیں۔ اس مختصر رسالہ میں ان سب کے ذکر کی گنجائش نہیں ہے۔ ان چند حدیثوں میں غور وفکر بھی اہل تفکر وتذکر کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔ آداب صوریہ کے متعلق بھی، آداب قلبیہ ومعویہ کے بارے میں بھی اور محضر الٰہی میں قیام کی کیفیت کے تعلق سے بھی۔

ذرا حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے حالات، آپؑ کی درگاہ حق میں مناجات اور آپؑ کی ان دعاؤں کے بارے میں غور تو کیجئے جن سے عبادت و بندگی کی تعلیم ملتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ان حضرات کی مناجات بندوں کو تعلیم دینے کی غرض سے ہوتی تھی، کیونکہ یہ ایک بے مغز اور باطل کلام ہے جو مقام ربوبیت اور معارف اہل بیتؑ سے واقف ہونے کی وجہ سے صادر ہوا ہے۔ ان حضرات کا خوف خدا اور خشیت الٰہی ہر شخص سے بڑھ چڑھ کرے اور ان کے دلوں میں عظمت وجلال حق نے ہر ایک سے زیادہ تجلی کی تھی، لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ بندگان خدا کو چاہیئے کہ ان حضرات سے بندگی اور سلوک الی اللہ کے طور طریق سیکھیں۔ جب ان کی مناجاتیں اور دعائیں پڑھیں تو وہ صرف زبان کی ادائیگی تک نہ رہ جائیں، بلکہ تفکر کریں کہ حق تعالیٰ کے ساتھ ان کا معاملہ کیسا تھا اور ذات مقدس کے سامنے وہ کس طرح عجز و نیاز اور تذلل وتضرع کا اظہار فرماتے تھے۔

ولعمر الحبیب! کہ جناب علی بن الحسین امام زین العابدین علیہما السلام کی ذات ان عظیم ترین نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے، حق تعالیٰ نے جن کے وجود مقدس سے بندوں پر احسان کیا اور ان بزرگوار کو عالم قرب اور محضر قدس سے زمین پر اتارا تا کہ اپنے بندوں کو ان کے ذریعہ عبودیت کے طریقے سمجھائے

لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ. [1]

اس روز تم سے نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

اور اگر ہم سے پوچھا جائے کہ اس نعمت کی قدر کیوں نہ پہچانی اور اس عظیم ہستی سے کیوں نہ فیض حاصل کیا، تو ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ ندامت سے سر جھکا لیں اور پشیمانی وتاسف کی آگ میں جل مریں اور اس وقت پشیمانی وتاسف سے کچھ ملنے والا نہیں۔

---

[1] سورۂ تکاثر، آیت ۸

ایک موعظہ حسنہ

عزیز! اب جب کہ موقع ہے، عمر عزیز کا سرمایہ حاصل ہے، سلوک الی اللہ کا راستہ کھلا ہے، رحمت کے در کھلے ہیں، اعضاء و جوارح میں قوت موجود اور قوتوں میں سلامتی برقرار ہے، عالم ملک کا کشت زار قائم ہے، ہمت سے کام لو اور ان الٰہی نعمتوں کی قدر پہچانو اور ان سے فائدہ اٹھاؤ۔ روحانی کملات اور ازلی و ابدی سعادتیں حاصل کرو اور ان معارف سے جنہیں قرآن شریف نے آسمان سے نازل ہو کر اور اہل بیت علیہم السلام نے محضر قدس سے آکر مادی اور اندھیری زمین کے فرش پر پھیلایا ہے اور عالم کو انوار الٰہی کی تابانیوں سے روشن و منور کر دیا ہے تم بھی استفادہ کرو اور اپنی تاریک مادی زمین کو نور الٰہی سے روشن کرو۔ آنکھوں، کانوں، زبان اور تمام ظاہری و باطنی قوتوں کو حق سے منور کرو اور اس تاریک زمین کو نورانی، بلکہ عقلانی زمین میں تبدیل کر دو۔

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ.[1]

جس دن زمین دوسری زمین میں تبدیل ہو جائے گی۔

وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا.[2]

اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے چمک اٹھے گی

اگر اس روز تمھاری زمین بدلی ہوئی نہ ہوئی اور نور رب سے نورانی نہ ہوگئی تو تاریکی ہی تاریکی، سختی ہی سختی، وحشت ہی وحشت، فشار ہی فشار، ذلت ہی ذلت اور عذاب ہی عذاب تمہارے حصہ میں آئے گا۔

ہماری ظاہری و باطنی قوتیں شیطانی تاریکیوں میں گھری رہیں اور ہم اسی حال میں پھنسے رہیں تو خطرہ ہے کہ دھیرے دھیرے نور فطرت سے معمور زمین فطرت کہیں اندھیرے، نور فطرت سے خالی اور تمام الٰہی فطرت سے محجوب سجینی زمین میں تبدیل نہ ہو جائے۔ یہ ایسی بدبختی ہوگی جس کے بعد کسی سعادت کا وجود نہیں۔ ایسی تاریکی ہے جس کے پیچھے کوئی روشنی نہیں، ایسی وحشت ہے جس کے بعد اطمینان کی کوئی صورت نہیں اور ایسا عذاب ہے جس کے بعد راحت و آرام کا کوئی امکان نہیں

---

[1] سورہ ابراہیم، آیت ۴۸

[2] سورۂ زمر: ۶۹

وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ.[1]

اور جسے اللہ نور (ہدایت) نہ دے تو اس کے لئے کوئی نور نہیں ہے۔

پناہ مانگتا ہوں اللہ کی، شیطانی فریب کاریوں اور برائی کی راہ پر لگانے والے نفس امارہ کی دسیسہ کاریوں سے۔

انبیاء کرامؑ کی بعثت، شریعتوں کی تعیین، احکام کی تاسیس، آسمانی کتابوں کے نزول بالخصوص قرآن مجید کے آنے کا، جس کے حامل اور جس کی روشنی کو پھیلانے والے حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، سب سے اہم مقصد توحید اور معارف الٰہیہ کی نشر و اشاعت اور کفر وشرک کی بنیاد کو اکھاڑ پھینکنا ہے اور توحید و تجرید کا رمز تمام قلبی و قالبی عبادات میں جاری و ساری ہے، بلکہ شیخ عارف کامل شاہ آبادی روحی فداہ فرماتے تھے: (عبادات باطن قلب سے ملک بدن میں توحید کے اجراء کا نام ہے)۔

وبالجملہ، عبادات کا مقصد معارف کا حصول اور قلب میں توحید اور دوسرے معارف کا استحکام ہے اور یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک سالک عبادت کے قلبی حقوق ادا نہ کردے اور صورت اور قالب سے حقیقت اور مغز تک عبور نہ کرجائے۔ دنیا اور قشر میں رکا نہ رہ جائے، کیونکہ ان چیزوں پر رکا رہنا رہ سلوک کا کانٹا ہے اور جو لوگ صرف صورت عبادت کی طرف دعوت دیتے ہیں اور لوگوں کو باطنی آداب سے روکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس صورت اور قشر کے علاوہ شریعت کے نہ کوئی اور معنی ہیں نہ حقیقت! طریق الٰہی کے شیاطین اور راہ انسانیت کے کانٹے ہیں اور ان کے شر سے خدا کی پناہ مانگنا چاہئے جو فطرت الٰہی کے اس نور کو انسان میں بجھا دینا چاہتے ہیں جو معرفت، توحید، ولایت اور تمام دوسرے معارف کا نور ہے اور لوگوں کی آنکھوں پر اندھی تقلید، جہالت، عادات اور رسموں کے پردے ڈال دینا چاہتے ہیں۔ بندگان خدا کو درگاہ خدا میں ٹھہرنے اور اس کے جمال جمیل تک پہنچنے سے روکتے ہیں اور معارف کا راستہ بند کرتے ہیں۔ بندگان خدا کے صاف وسادہ اور بے آلائش دلوں کو، جن کی خمیر میں حق تعالیٰ نے اپنے دست جلال و جمال سے معرفت کی تخم ریزی کی ہے اور انبیاء کرامؑ اور کتب آسمانی کی تربیت اور نشو ونما کے لئے بھیجی ہیں، دنیا اور اس کے رنگ و روغن اور مادی و جسمانی سمتوں اور ان کے عوارض کی طرف پھیر دیتے ہیں اور روحانیات اور عقلی سعادتوں سے منحرف کردیتے ہیں اور عوالم غیب اور ان جنتوں کو، جن کا وعدہ اللہ نے کیا ہے، حیوانی ماکولات ومشروبات اور بہیمانہ جنسیات میں منحصر قرار دیتے ہیں۔

ان لوگوں کا گمان ہے کہ اللہ نے یہ تمام بساط رحمت اس لئے بچھایا ہے، اتنی عظمتوں کے ساتھ کتابیں اس لئے

---

[1] سورۂ نور: ۴۰

نازل کی ہیں، فرشتوں کو اس لئے بھیجا ہے اور انبیائے عظامؑ کو اس لئے مامور ومبعوث فرمایا ہے تا کہ وہ شکم اور شرمگاہ کی آسائش کا انتظام کریں!! ان کے معارف کا آخری مقصود یہ ہے کہ دنیا میں شکم وشرمگاہ کی حفاظت کرو تا کہ آخرت میں ان کی خواہشات پوری ہوں، جس قدرت اہمیت ان لوگوں کی نظر میں پانچ سو سالہ جامعت کو حاصل ہے اتنی حیثیت توحید و نبوت کو حاصل نہیں ہے۔ یہ لوگ تمام معارف کو شکم وشرمگاہ کی تعمیر کا مقدمہ سمجھتے ہیں اور اگر کوئی حکیم الٰہی اور عارف ربانی بندگان خدا کے سامنے رحمت کا کوئی دروازہ کھولنا چاہے اور ایک ورق حکمت الٰہی کا پڑھنا چاہے تو اس کی بدگوئی دشنام طرازی، تکفیر اور اس کی طرف کوئی بری سے بری نسبت دینے سے باز نہیں آتے۔ یہ دنیا اس قدر فرق ہو گئے ہیں اور شکم و شرمگاہ کی خواہشات کو کچھ بھی ان کے بارے میں نہ جاننے کے باوجود اس درجہ اہمیت دیتے ہیں کہ چاہتے ہیں کہ حیوانی خواہشات کے علاوہ کوئی اور سعادت دار وجود میں باقی نہ رہے۔ حالانکہ اگر سعادت عقلیہ بھی دنیا میں رہے تو شکم وشرمگاہ کو کیا نقصان پہنچ جائے گا؟!

ہم جیسے لوگ، جنہوں نے حیوانیت کی حد سے آگے قدم نہیں رکھا، جسمانی بہشت اور ادارۂ شکم وشرمگاہ کے سوا ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ حالانکہ فضل خدا سے امید ہے کہ اس تک بھی پہنچیں گے، لیکن یہ گمان نہیں کرنا چاہئے کہ سعادت اسی میں منحصر ہے اور بہشت حق تعالٰی اسی حیوانی بہشت میں محصور ہیں، بلکہ حق تعالٰی کے پاس بہت عالم ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھے، نہ کسی کان نے سنے اور نہ کسی کے دل میں ان کا خیال آسکا، لیکن ارباب محبت الٰہیہ اور اہل معرفت خدا نہ ان جنتوں میں سے کسی ایک جنت کی طرف رخ کرتے ہیں اور نہ عالم غیب وشہود کی طرف کسی قسم کی توجہ۔ ان کی جنت صرف لقائے الٰہی ہے۔

اگر آیات قرآن اور احادیث اہل بیت عصمت وطہارت علیہم السلام کو سلسلہ میں ذکر کرنا چاہوں تو ان اوراق کی وضع کے خلاف ہوگا، کیونکہ اس رسالہ میں ایجاز و اختصار کو پیش نظر رکھنا مقصود ہے، اور جو کچھ بیان کر دیا گیا ہے وہ قلم کے بے قابو ہو جانے کی وجہ سے قلم بند کر دیا گیا ہے۔ ہمارا بہترین مقصد بندگان خدا کو ان کی غرض خلقت کی طرف متوجہ کرنا ہے۔ یعنی معرفت خدا جو تمام سعادتوں سے بالاتر ہے اور دوسری کوئی بھی چیز اسی کا مقدمہ ہے اور بس۔ ہماری ان لوگوں سے مراد جو راہ سلوک کے کانٹے ہیں، اکابر علمائے اسلام اور مذہب جعفری کے فقہائے کرام نہیں ہیں، بلکہ کچھ ایسے اہل جہل ہیں جنہوں نے تقصیر وعناد کی وجہ سے نہیں، بلکہ قصور وجہل کی وجہ سے علم کا شعار اختیار کر لیا ہے اور بندگان خدا کے لئے راہزن بنے ہوئے ہیں۔ خدائے تعالٰی سے پناہ مانگتا ہوں کہ قلم سرکش، نیت فاسد اور مقصود باطل ہو جائے۔

والحمد للہ اولاً وآخراً وظاھراً وباطناً.

باب سوم

نیت کا رمز اور اس کے آداب

اس میں پانچ فصلیں ہیں

فصل اول

عبادت میں نیت کی حقیقت

نیت کسی شے کے تصور اور اس کے فائدہ کی تصدیق اور اس کو بجالانے کے لازم ہونے کے حکم کے بعد اس کے بجالانے اور نفس کو اس کے انجام دینے پر جمع کرنے پر پختہ عزم کرنے کو کہتے ہیں۔ یہ ایک ایسی نفسانی و وجدانی حالت ہے جو مذکورہ امور کے بعد پیدا ہوتی ہے جس کو ہمیت، تصمیم عز وارادہ وقصد سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ حالت تمام اختیاری افعال میں موجود ہے۔ کوئی فعل اختیاری، ممکن نہیں ہے کہ نیت کے بغیر وجود میں آسکے اور یہ حقیقت ہے کہ امر مجاز کے شائبہ کے بغیر تمام عمل میں موجود رہتا ہے اور یہ لازم نہیں ہے کہ عمل کے درمیان یا عمل کے آغاز میں تفصیل کے ساتھ ذہن میں حاصل ہو یا عمل کرنے والا اس قصد و تصمیم کا تفصیل کے ساتھ تصور کرے، بلکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان اسی تصمیم عزم کے ساتھ عمل کو بجالاتا ہے۔ حالانکہ عمل کی تفصیلی صورت سے کلی طور پر بے خبر و غافل رہتا ہے، لیکن وہ حقیقت موجود رہتی ہے اور اسی کی تحریک پر عمل خارج میں وجود حاصل کرتا ہے۔ جیسا کہ وجدانی طور پر افعال اختیاری میں یہ امر واضح ہے۔

وبالجملہ، یہ تصمیم عزم جسے فقہاء کی زبان میں نیت کہتے ہیں، بلا اختلاف ہر عمل میں موجود ہے کہ اگر کوئی شخص چاہے کہ فعل اختیاری کو بغیر اس کے انجام دے تو ایسا ممکن ہی نہیں ہے۔ اس کے باوجود شیطان ملعون کا وسوسہ اور وہم کا فریب عقل کو محکوم بنالیتا ہے اور ایک امر ضروری کو انسان کی نگاہوں سے اوجھل کردیتا ہے اور بجائے اس کے کہ انسان اپنی قیمتی زندگی عمل کو خالص بنانے اور نکھارنے میں صرف کرے اور باطنی مفاسد سے پاک کرے اور بجائے اس کے کہ اس کو معارف توحید اور حق شناسی وحق طلبی میں صرف کرے، شیطان اسے وسوسہ میں ڈال دیتا ہے اور وہ آدھی زندگی غیر

ضروری اور غیر قابل حصول امور میں صرف کر دیتا ہے۔

شیطان کے جال اور پھندے بہت ہیں۔ ایک کو اصل عمل کے ترک پر آمادہ کرتا ہے اور دوسرے کو، جس سے مایوس ہوجاتا ہے کہ عمل کو ترک کرے گا، ریاکاری، خود پسندی اور دوسرے مفاسد میں مبتلا کرتا ہے اور اگر اس میں کامیاب نہیں ہوتا تو (مقدس مآبی) کی راہ سے اس کے عمل کو باطل کر دیتا ہے۔ تمام لوگوں کی عبادات کو اس کی نظر میں ذلیل کر دیتا ہے اور لوگوں کی طرف بے پروائی کی نسبت دیتا ہے اور پھر اسے آمادہ کرتا ہے کہ مثلاً نیت میں جو عمل کا ایک لازمہ ہے، یا تکبیر میں یا قرائت میں، جو عادی اور معمولی امور ہیں، اپنی ساری عمر صرف کردے اور اس وقت تک انسان سے راضی نہیں ہوتا جب تک کسی نہ کسی طریقہ سے اس کے عمل کو باطل نہ کردے۔

وسواس کے بہت سے ڈھنگ اور بے شمار طریقے ہیں، جن پر نہ اس وقت بحث کرنے کا موقع ہے اور نہ سب کا استقصاء ممکن ہے،لیکن ان میں سب سے زیادہ مضحکہ خیز اور تعجب انگیز وسوسہ شاید وہ وسوسہ ہے جو نیت میں پیدا ہوتا ہے، کیونکہ اگر کوئی شخص چاہے کہ اپنی تمام قوتوں کے ساتھ کسی امر کے لئے قیام کرے مگر نیت کے بغیر تو ساری زندگی کسی ایک امر اختیاری کا بجالانا ممکن نہیں ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی ایک بے چارے نفسیاتی مریض اور ضعیف العقل کو تم دیکھتے ہو کہ ہر نماز میں تادیر اپنے کو معطل کئے رہتا ہے کہ اس کی نماز نیت اور عزم کے ساتھ وجود میں آئے۔ یہ شخص ایسا ہی ہے جیسے کوئی مدتوں غور کرتا رہے کہ بازار جائے یا کھانا کھانے کے لئے نیت یا عزم ہی کرتا رہے؟ وہ بے چارہ، جس کی نماز کو معراج قرب اور مفتاح سعادت ہونا چاہئے اور آداب قلبی کی بجا آوری اور اس کی الٰہی لطف و کرم کے اسرار سے واقفیت حاصل کر کے اپنی ذات کی تکمیل اور اپنی زندگی کے اسباب مہیا کرنا چاہئے ان تمام امور کی پروا نہیں کرتا، بلکہ ان سب کو لازم ہی نہیں جانتا۔ اس کے لئے آسان ہے کہ سب کو باطل شمار کر لے اور اپنے سرمایہ عزیز کو اطاعت شیطان اور خدمت وسواس خناس میں صرف کردے اور خدا کی عطا کی ہوئی عقل کو جو نور ہدایت ہے، ابلیس کے تابع فرمان کردے۔

عبداللہ بن سنان کہتے ہیں: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے ایک شخص کا ذکر کیا جو وضو و نماز میں مبتلا تھا (یعنی وسواسی تھا) اور کہا کہ: وہ ایک صاحب عقل انسان ہے، ! امامؑ نے فرمایا: کیا عقل رکھتا ہے، جب کہ شیطان کی اطاعت کرتا ہے! میں نے عرض کیا: شیطان کی اطاعت کیسے کرتا ہے؟ فرمایا: اس سے پوچھنا کہ یہ جو اس کی حالت ہے کس وجہ سے ہے؟ وہ کہے گا کہ ایک شیطانی کام ہے۔[1]

---

[1] اصول کافی، ج ۱، ص ۱۳، کتاب العقل والجہل، حدیث ۱۰

وبالجملہ، کتنی ہی زحمت اور محنت و ریاضت کرنی پڑے، انسان کو چاہئے کہ اس ریشہ کو قطع کردے جو انسان کو ہر سعادت اور خیرات سے روکتا ہے۔ ممکن ہے ایسی صورت میں انسان کی چالیس کی تمام عبادتیں ظاہری صورت کے لحاظ سے بھی صحیح نہ ادا ہوتی ہوں اور باطنی وشرعی آداب تو کیا فقہی اجزاء سے بھی خالی رہی ہوں۔ سب سے زیادہ مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ ان وسواسی لوگوں میں سے بعض سب لوگوں کے عمل کو باطل سمجھتے ہیں!! اور سب کو دین سے لاپرواہ جانتے ہیں۔ حالانکہ یہ اگر مقلد ہیں تو ان کے مرجع تقلید کا طریقہ بھی لوگوں کے متعارف طریقہ پر ہوگا اور اگر اہل علم وفضل میں سے ہیں تو احادیث کی طرف رجوع کریں اور دیکھیں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ ھدیٰ علیہم السلام بھی ان امور میں متعارف تھے۔ تمام لوگوں میں صرف یہ وسواسی اور شکی لوگ ہیں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ائمہ معصومین علیہم السلام، فقہائے مذہب اور علمائے ملت کے طریقہ کے خلاف عمل کرتے ہیں اور سب کے اعمال کو ناچیز سمجھتے ہیں اور اپنے عمل کو موافق احتیاط اور اپنے آپ کو دین کا خیال رکھنے والا خیال کرتے ہیں۔ مثلاً وضو کے متعلق جن احادیث میں رسول خداؐ کے وضو کا ذکر آیا ہے، وہ متواتر ہیں۔ علی الظاہر حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک چلّو (پانی) منہ پر ڈالتے تھے، ایک چلو داہنے ہاتھ پر اور ایک چلو بائیں ہاتھ پر۔ [1]

اور علماء امامیہ کا اجماع ہے کہ یہ وضو صحیح ہے اور ظاہر قرآن بھی یہی ہے۔ دوسری بار دھونے، بلکہ دوسری بار چلو میں پانی لینے میں بھی بعض فقہاء نے اشکال کیا ہے، لیکن دوبار چلو میں پانی لینا بلکہ دھونا بھی ضروری نہیں رکھتا۔ اگر چہ اس کے مستحب ہونے میں کلام ہے۔ لیکن تیسری بار دھونا بدعت اور مبطل وضو ہے، بلا اشکال روایت کے اعتبار سے بھی اور فتوے کے اعتبار سے بھی۔ اب ذرا بے چارے وسواسی کا عمل دیکھئے کہ بیس چلو پر بھی اکتفا نہیں کرتا جن میں ہر ایک چلو سے پورا ہاتھ دھل جاتا ہے اور غسلہ تامہ محسوب ہوتا ہے۔ اس صورت میں اس کا وضو باطل ہونے میں کوئی اشکال نہیں رہ جاتا۔ یہ بد بخت ضعیف العقل اس عمل کو، جسے شیطان کی اطاعت اور اس کے وسوسہ کے سبب سے بجالایا ہے، صحیح بھی سمجھتا ہے اور موافق اختیار بھی اور سب لوگوں کے عمل کو باطل سمجھتا ہے! اب حدیث کی سچائی کی جہت سمجھ میں آئی کہ اسے بے عقل کہا گیا ہے۔ جو شخص عمل رسول خداؐ کیخلاف عمل کو صحیح جانتا ہو اور آنحضرتؐ کے موافق عمل کو باطل سمجھتا ہو وہ یا دین سے خارج ہے یا عقل سے خارج ہے اور چونکہ یہ بے چارہ دین سے خارج نہیں ہے لہٰذا بے عقل اور مطیع شیطان ومخالف رحمٰن ہے۔

اس مصیبت اور چھوت کی بیماری کا سوائے اس کے اور کوئی علاج نہیں ہے کہ تھوڑا تفکر کرے مذکورہ امور اور

---

[1] منجملہ (دیگر کتب کے) فروع کافی، ج۳،ص ۲۴، کتاب الطہارۃ، باب صفۃ الوضوء

اپنے عمل کا متدین حضرات اور علماء وفقہاء رضوان اللہ علیہم کے عمل پر قیاس کرکے دیکھے۔ اگر اپنا عمل ان عمل کے خلاف نظر آئے تو فوراً شیطان کی ناک رگڑے اور اس کی طرف سے توجہ ہٹادے اور جتنی مرتبہ شیطان وسوسہ کرے اور کہے کہ تمہارا عمل باطل ہے تو جواب دے کہ اگر فقہائے امت کا عمل باطل ہے تو میرا عمل بھی باطل ہے۔ امید ہے کہ جتنی شیطان کی مخالفت کرے گا اور ساتھ ہی حق تعالیٰ سے عاجزی اور نیازمندی کے ساتھ اس ملعون کے شر سے پناہ مانگے گا یہ مرض رفع ہو جائے گا اور شیطان کی چشم طمع اس سے ہٹ جائے گی۔ چنانچہ کثرت شک دور کرنے کے لئے کہ وہ بھی ایک شیطانی بہکاوا ہے، روایات شریفہ میں یہی حکم دیا گیا ہے۔

کافی شریف میں اسناد کے ساتھ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے، آپؑ نے فرمایا: جب نماز میں تمہیں زیادہ شک ہونے لگے تو نماز کو جاری رکھو، یعنی اس شک کی طرف اعتنا نہ کرو۔ امید ہے کہ اس طرح شک تمہارا پیچھا چھوڑ دے گا۔ یقیناً یہ شیطان کا وسوسہ ہے [1]

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت امام محمد باقر یا حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام فرماتے ہیں:

شیطان کو عادت نہ ڈالو کہ وہ تمہاری نماز کو توڑنے لگے۔ اسے ایسی لالچ سے پیچھے دھکیل دو، کیونکہ شیطان نجس ہے اور جس چیز کی عادت ڈال دی جائے اس کا عادی ہو جاتا ہے۔

زرارہ کہتے ہیں کہ امامؑ نے فرمایا: وہ خبیث چاہتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے اور جب اس کی بات نہیں مانی جاتی تو پھر تم میں سے کسی کے پاس پلٹ کر نہیں آتا [2]

یہ ان تمام امور کے اہم معالجات ہیں جو شیطانی بہکاوے اور شیطانی واہمہ کے فریب ہیں۔ احادیث میں دعائیں پڑھنے کا حکم بھی دیا گیا ہے، تاکہ شیطانی وسوسے دور ہوں، جو چاہے وہ وسائل اور مستدرک، کتاب خلل کے آخر کا مطالعہ کرے۔

---

[1] فروع کافی، ج ۳، س ۳۵۹، کتاب الصلاۃ، باب من شک فی صلاتہ، حدیث ۸

[2] فروع کافی، ج ۳، س ۳۵۹، کتاب الصلاۃ، باب من شک فی صلاتہ، حدیث ۲

فصل دوم

نیت کے اہم آداب

نیت کے اہم آداب میں، جو تمام ہی عبادات کے اہم آداب اور کلی دستورات میں شامل ہے (اخلاص) ہے اس کی حقیقت عمل کو غیر خدا کے شائبہ سے پاک کرنا اور باطن کا تمام صوری، لبی، ظاہری اور باطنی اعمال میں غیر حق تعالیٰ کو دیکھنے سے تصفیہ کرنا ہے اور اس کا کمال مطلق طور پر غیر حق کو ترک کرنا اور انیت و انانیت اور غیر و غیریت کو یکسر کچل دینا ہے۔

ارشاد قدرت ہے:

اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ۔[۱]

خدائے تعالیٰ نے اپنے لئے خالص دین کو پسند کرلیا ہے۔

اور اگر شیطانیت اور نفسانیت کا ایک بھی حصہ دین میں شامل ہوا تو یہ دین خالص نہیں ہوسکتا اور جو خالص نہیں خدا نے اسے پسند ہی نہیں کیا اور جس جس چیز میں غیریت اور نفسانیت کا شائبہ ہو وہ حدود دین سے خارج ہے۔

نیز ارشاد قدرت ہے:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ۔[۲]

---

[۱] آگاہ رہو کہ خالص دین صرف خدا کا ہے، سورۂ زمر: ۳

[۲] سورہ بینہ، آیت ۵

وہ لوگ صرف اس کے لئے مامور ہوئے ہیں کہ خدا کی عبادت کریں اس حال میں کہ دین کو اسی کے لئے خالص کئے ہوئے ہوں۔

نیز ارشاد قدرت ہے:

وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ. [1]

اور جو (صرف) دنیا کی کھیتی چاہتا ہے تو ہم اس میں سے اسے کچھ دے دیتے ہیں مگر اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

وقال رسول الله ﷺ: علی ما نقول: إِنَّمَا لِكُلِّ امْرِءٍ مَا نَوَى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَ رَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَ رَسُولِهِ وَ مَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ. [2]

ارشاد قدرت ہے:

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ [3]

اور جو شخص اپنے گھر سے خدا اور رسول (ص) کی طرف ہجرت کے ارادہ سے نکلے پھر اسے موت آجائے، تو اس کا اجر و ثواب اللہ کے ذمہ ہو گیا۔

جو کچھ نقل ہوا ہے اس کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر شخص کے لئے وہی چیز ہے جو اس نے نیت کی ہے۔ پس جس کا مقصد خدا و رسولؐ ہیں اس کی ہجرت خدا و رسولؐ کی طرف ہے اور جس کی ہجرت دنیا تک پہنچنے یا کسی عورت سے نکاح کے لئے ہوگی اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف ہے۔

اور یہ آیۂ شریفہ ممکن ہے کہ اخلاص کے تمام ومراتب کو شامل ہو۔ ایک ہجرت صوری جو بدن کے ذریعہ ہوتی ہے۔ یہ ہجرت اگر خالص خدا و رسولؐ کے لئے نہ ہو، بلکہ ذات نفسانی کے لئے ہو تو ہجرت الی اللہ ورسولہ نہیں ہے۔ اخلاص کا یہ مرتبہ فقہی صوری ہے۔

---

[1] سورہ شوریٰ: ۲۰

[2] مستدرک الوسائل، ابواب مقدمۃ العبادات، باب ۵، حدیث ۵

[3] سورہ نساء، آیت ۱۰۰

دوسری ہجرت معنوی اور مسافرت باطنی ہے جس کی ابتدا نفس کا تاریک گھر ہے اور اس کی انتہا، خدائے تعالیٰ اوراس کا رسولؐ ہے اور رسولؐ کی بازگشت بھی حق تعالیٰ ہی کی طرف ہے، کیونکہ رسولؐ ہونے کی حیثیت سے رسولؐ استقلال حاصل نہیں ہے، بلکہ وہ ایک آیت، ایک آئینہ اور ایک نمائندہ ہے۔ لہٰذا اس کی طرف بھی حق تعالیٰ ہی کی طرف ہجرت ہے۔

حب خاصان خدا حب خدا است
ایک ہے عشق خدا اور عشق خاصان خدا

لہٰذا آیۂ شریفہ کے معنی کا خلاصہ، اس احتمال کی بنیاد پر، یہ ہے کہ جو شخص مہاجرت معنوی اور سفر قلبی عرفانی کر کے بیت نفس اور منزل انانیت سے نکلے اور مہاجرت الی اللہ کرے بغیر خود کو اور اپنی نفسانیت اور حیثیت کو دیکھے، اس کی جزا حق تعالیٰ پر ہے اور اگر سالک سلوک الی اللہ میں ایک بھی نفسانی لذت کا خواہشمند ہوگیا، چاہے وہ حصول مقامات ہی کی خواہش کیوں نہ ہو، بلکہ چاہے تقرب خدا ہی کو خواہش کیوں نہ ہو، تو یہ سلوک الی اللہ نہیں ہے، بلکہ سالک بیت ہی سے نہیں نکلا اور بیت ہی کے بیچ میں ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ کی طرف اور ایک کونے سے دوسرے کونے کی طرف چلے جارہا ہے۔

تو سفر چونکہ نفس ہی کے مراتب تک محدود رہا اور نفسانی کمالات تک پہنچنے کے دائرہ میں بند رہا لہٰذا یہ سفر الی اللہ نہیں ہوسکتا، بلکہ نفس سے نفس کی طرف سفر ہے (جس کا وہی مبدا ہے اور وہی منتہی)۔

لیکن سالک کے لئے سفر الی اللہ میں اس سفر سے دوچار ہونا ناگزیر ہے اور اولیائے کاملین علیہم السلام کے علاوہ کوئی اور سفر نفسانی کے بغیر سفر ربانی نہیں کرسکتا۔ یہ شان فقط کاملین کا حصہ ہے اور شاید آیۂ شریفہ "سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ"[1] (یہ رات سلامتی اور برکت ہے صبح ہونے تک) میں تصرفات شیطانی و نفسانی سے سلامتی کے اسی رخ کی طرف اشارہ ہو اور مادیت کی تاریک راتوں میں سیر کے تمام مراتب میں سلامتی مراد ہو جو کاملین کے لئے یوم قیامت کی اس فجر کے طالع ہونے تک لیلۃ القدر ہے جو ان کے لئے جمال احدیت کا مشاہدہ ہے، لیکن کاملین کے علاوہ دوسرے لوگ، سیر کے تمام ہی مراتب میں (خطرات سے دوچار ہیں اور) سلامت نہیں ہیں، بلکہ آغاز سلوک میں تو کوئی بھی سالک تصرفات شیطانیہ کے خطرات سے باہر نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اخلاص کا یہ مرتبہ، جو سیر الیٰ اللہ کے پہلے مرتبہ سے لے کر آخری مرتبہ، یعنی موت حقیقی

---

[1] سورۂ قدر، آیت ۵

کے حصول تک، بلکہ حیات ثانوی حقانی کے بعد تک، جو صحو بعد المحو (زوال وفنا کے بعد بیداری و ہوشیاری) ہے، اہل سلوک اور عام متعارف اہل معرفت و ریاضت کا ساتھ نہیں چھوڑ تا۔ اس طرح کے خلوص کی علامت یہ ہے کہ شیطان کے لئے انسان کو گمراہ کرنے کا یہاں کوئی راستہ نہیں ہے اور طمع شیطانی یہاں پر بالکل قطع ہو چکی ہے۔ چنانچہ آیۂ شریفہ میں اس ملعون کے قول کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ.[1]

پس تیری عزت کی قسم تیرے مخلص بندوں کے علاوہ تیرے تمام بندوں کو بہکاؤں گا۔

یہاں پر اخلاص کی نسبت فعل عبد کے بجائے خود عبد کی طرف دی گئی ہے اور اخلاص کا یہ مقام عمل میں اخلاص کے مقام سے بالاتر ہے اور شاید حدیث نبویؐ میں جو یہ ارشاد ہے:

مَنْ أَخْلَصَ لِلَّهِ أَرْبَعِينَ يَوْماً فَجَّرَ اللَّهُ يَنَابِيعَ الْحِكْمَةِ مِنْ قَلْبِهِ عَلَى لِسَانِهِ.[2]

جو شخص چالیس صبحیں خدا کے لئے خالص کر دے اس شخص کے دل سے حکمت کے چشمے اس کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں۔

اس سے مراد اخلاص کے تمام مرتبے ہوں، یعنی اخلاص عمل، اخلاص صفت اور اخلاص ذات اور شاید اخلاص ذاتی میں تمام مرتبے ظہور کرتے ہوں، کیوں اخلاص کے دوسرے مراتب، اخلاص ذات کے لوازم میں سے ہیں۔

اس حدیث مبارکہ کی شرح، ینابیع الحکمۃ، سے مراد اور قلب سے زبان پر ان کا جاری ہونا وراس جاری ہونے میں خلوص کا حصہ، اربعین صباح، کی خصوصیت کا بیان اور رسالہ کے حدود سے خارج ہے اور اس کے لئے ایک مستقل رسالہ کی ضرورت ہے اور عارف باللہ مرحوم بحر العلوم کی طرف منسوب مشہور رسالہ، تحفۃ الملوک فی السیر والسلوک، ہے جس میں خاص طور پر اس حدیث شریف کی شرح کی گئی ہے۔ یہ ایک پر لطف رسالہ ہے، اگر چہ بعض مناقشات سے خالی نہیں ہے جس کی وجہ سے بعض حضرات اس کی نسبت ان بزرگوار کی طرف درست نہیں سمجھتے، بعید بھی نہیں ہے۔

---

[1] سورۂ ص، آیات ۸۲، ۸۳

[2] بحار الانوار، ج ۶۷، ص ۲۴۲، کتاب الایمان والکفر، باب الاخلاص، حدیث ۱۰، نقل از عیون اخبار الرضاؑ، ج ۲، ص ۶۹ (تھوڑے اختلاف کے ساتھ) اسی طرح یہ مضمون منیع الخیر میں، ص ۲۶۹، حدث ۲۵، میں نقل ہوا ہے۔

فصل سوم

اخلاص کے بعض مراتب

اجمالی طور پر جو اس رسالہ کی وضع کے مناسب ہے۔

اخلاص کے مراتب میں سے ایک مرتبہ تصفیہ عمل ہے۔عمل قلبی ہو یا قالبی۔مخلوق کوخوش کرنے اوران کے دلوں کو اپنی طرف کھینچنے کے شائبہ سے، چاہے اس سے غرض تعریف وصول کرنا ہو یا منفعت یا کوئی اور مقصد ہو۔اسکے مقابل عمل کو ریا کاری اوردکھاوے کے لئے بجالانا ہے، یہ ریا فقہی ہے (یعنی جسے علم فقہ میں ریا کہتے ہیں وہ مراد ہے) اورریا کے مراتب میں سب سے پست ہے اورجس میں ریا پائی جائے وہ تمام ریا کاروں سے زیادہ بے قیمت اورنچلی سطح کا آدمی ہے۔

دوسرا مرتبہ،تصفیہ عمل ہے دنیاوی مقاصد اورزائل وفانی اغراض کے حصول سے چاہے اس مقاصد واغراض کے حصوں کی آرزو اس طرح ہو کہ خدا اس عمل کے واسطہ سے ان مقاصد واغراض کو پورا کرے۔مثلاً نماز شب پر پڑھے تو سعہ رزق کے لئے،مہینہ کی پہلی تاریخ کی نماز بجالائے اس مہینہ میں آفات سے سلامتی کے لئے یا صدقہ دے سلامتی کے لئے اور دوسرے دنیاوی مقاصد کے لئے۔اخلاص کا یہ مرتبہ بعض فقہاء کے نزدیک عبادات کے صحیح ہونے کی شرط ہے جب کہ عمل کی ادائیگی اسی مقصد کو پانے کے لئے ہو،لیکن فقہی قواعد کے اعتبار سے یہ خلاف تحقیق ہے۔اگر چہ اہل معرفت کی نظر میں اس نماز کی کسی اعتبار سے بھی کوئی قیمت نہیں ہے اور ہے تو اتنی ہی جتنی کسب منفعت کے دوسرے شرعی طریقوں کی، بلکہ شاید یہ ان سب سے کم قیمت ہے۔

تیسرا مرتبہ،تصفیہ عمل ہے جسمانی جنتوں، حوروقصور اوراس طرح کی جسمانی لذات سے، اس کے مقابل

مزدوروں کی عبادت، ہے جیسا کہ روایات شریفہ میں وارد ہوا ہے۔ یہ بھی اہل اللہ کی نظر میں سب منفعت کے طریقوں میں سے ایک ہے۔فرق صرف اتنا ہے کہ اس عمل کی اجرت دوسرے اعمال کسب کی اجرتوں سے زیادہ اور بالا تر ہے (کیونکہ اس اجر کا دینے والا خدا ہے) بشرطیکہ حکم خدا کی پابندی کرے اور صوری مفاسد سے عمل کو خالص رکھے۔

چوتھا مرتبہ،تصفیہ عمل ہے ان جسمانی سزاؤں اور عزابوں کے خوف سے،جن کی وارننگ اللہ کی طرف سے دی گئی ہے۔اس کے مقابل،غلاموں کی عبادت، ہے جیسا کہ روایات میں وارد ہوا ہے [1]

اس عبادت کی بھی اصحاب قلوب کی نظر میں کوئی قیمت نہیں اور اللہ کی عبودیت کے دائرہ سے باہر۔اہل معرفت کی نظر میں کوئی فرق نہیں ہے کہ انسان کوئی،عمل دنیا میں حد شرعی اور سزائے شرعی سے بچنے کے لئے کرے یا آخرت کے عذاب وعقاب کے خوف سے ادا کرے۔زنان دنیا کے شوق میں بجالائے یا حوران بہشتی کی طمع میں انجام دے، کیونکہ اس قسم کا کوئی عمل بھی اللہ کے لئے نہیں ہے اور اس خوف اور شوق سے وہ سبب تو پیدا ہوسکتا ہے جو قواعد فقہیہ کے لحاظ سے عمل کی صورت کو باطل ہونے سے بچالے جائے،لیکن اہل معرفت کے بازار میں یہ عمل کوئی قیمت نہیں رکھتا۔

پانچواں مرتبہ،تصفیہ عمل ہے عقلی سعادتوں اور دائمی وازلی وابدی روحانی لذتوں تک پہنچنے کروبیین کے زمرہ میں شامل ہونے اور عقول پاکیزہ اور ملائکہ مقربین کا درجہ حاصل کرنے سے۔اس کے مقابل ان مقاصد کے لئے عمل کرنا ہے۔ یہ درجہ اگر چہ ایک بڑا درجہ اور ایک اہم اعلیٰ مقصد ہے اور حکماء و محققین سعادت کے اس مرتبہ کو بہت اہمیت دیتے ہیں اور اس کی قدر و قیمت کو مانتے ہیں۔لیکن اہل اللہ کے مسلک میں یہ مرتبہ بھی سلوک کا ایک نقص ہے اور اس کا سالک بھی کاروبار کرنے والوں اور مزدوروں میں شمار ہوتا ہے۔ اگر چہ تجارت گاہ اور بازار میں دوسرے تمام لوگوں سے بہت سے فرق ضرور رکھتا ہے۔

اس مرتبہ کے مقابل جو چھٹا مرتبہ، ہے وہ تصفیہ عمل ہے ان لذات تک نہ پہنچنے اور ان سعادتوں سے محروم رہ جانے سے اور اس کے مقابل خوف کے سبب سے اس مرتبہ کے لئے عمل کرنا ہے اور یہ بھی اگر چہ ایک بلند مرتبہ ہے اور راقم الحروف جیسے لوگوں کی آرزو کی حد سے باہر ہے،لیکن اہل اللہ کی نظر میں یہ بھی (غلاموں جیسی عبادت) ہے اور بیمار عبادت ہے۔

ساتواں مرتبہ، تصفیہ عمل ہے جمال الٰہی کی لذتوں تک پہنچنے سے اور ذکر ودعا کے انوار کی لامحدود مسرتوں کو

---

[1] من جملہ اور کتابوں کے وسائل الشیعہ ، ج۱،ص ۴۵، ابواب مقدمہ العبادات، روایات باب ۹، نیز اصول کافی، ج ۳،ص ۱۳۱، کتاب الایمان والکفر ، باب العبادۃ، روایت ۵

پانے سے، جس کی تعبیر جنت لقاء سے کی گئی ہے اور یہ مرتبہ، یعنی جنت لقاء اہل معرفت اور اصحاب قلوب کے اہم مقاصد میں ہے اور نوبشر کا دست امید ان تک پہنچنے سے قاصر ہے۔ اور کامل اہل اللہ اور اصفیاء اللہ میں سے ہیں، لیکن یہ کمال کامل اہل اللہ کا مرتبہ نہیں ہے، بلکہ اس میں سرشار حضرات کے معمولی مقامات میں سے ہے اور یہ جو دعاؤں میں جیسے مناجات شعبانیہ میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام اور ان کی اولاد طاہرینؑ نے اس مرتبہ کی خواہش کی ہے یا اس مرتبہ پر فائز ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کے مقامات ومراتب اسی مرتبہ میں محدود ومنحصر ہیں۔

چنانچہ، آٹھواں مرتبہ، جو اس مرتبہ کے بالمقابل ہے اور اس کا مطلب ہے تصفیہ عمل خوف فراق سے، یہ بھی کاملین کے مقامات میں کمال مقام نہیں ہے اور یہ جو امیر المومنینؑ فرماتے ہیں: کیف اصبر علٰی فراقک [1] یہ سرشار حق اور امیر المومنین علیہ السلام جیسے حضرات کے معمولی مقامات میں سے ہے۔

وبالجملہ، تصفیہ دونوں مراتب (جنت لقاء کی طلب اور خوف فراق) سے بھی اہل اللہ کے نزدیک لازم اور ان کے ہوتے ہوئے عمل بیمار ہے۔ نفسانی خواہشات سے خالی نہیں ہے۔ اور یہ تصفیہ کمال خلوص ہے اس کے بعد دوسرے مراتب ہیں کہ خلوص کی حدوں سے باہر ہیں اور توحید وتجرید وولایت کی میزان کے تحت آتے ہیں۔ جن کا بیان اس رسالہ سے مناسب نہیں رکھتا۔

---

[1] مصباح المتہجد، ص ۷۷۸، دعائے کمیل

فصل چہارم

منکر مقامات

اب جب کہ آپ اخلاص کے مراتب اورعبادات کے مقامات کو ایک حد تک جان چکے تو اب خود کو انہیں حاصل کرنے کے لئے تیار کیجئے، کیونکہ عمل نہ ہو تو علم کی کوئی قیمت نہیں ہوتی اور عالم پر تو حجت بھی زیادہ تمام کی گئی ہے اور اس کا محاسبہ بھی زیادہ ہوگا۔ افسوس کا مقام ہے کہ ہم معارف الٰہیہ اور اہل اللہ کے مقامات معنویہ اور اصحاب قلوب کے مدارج عالیہ سے کلی طور پر محروم ہیں۔ ہم میں سے ایک گروہ تو مقامات کو یکسر منکر ہے اور اہل مقامات کو خاطی، باطل اور عاطل سمجھتے ہیں اور جو شخص انکا ذکر کرتا ہے یا ان کے مقامات کی طرف دعوت دیتا ہے اس کو بے بنیاد باتیں بنانے والا اور اس کی دعوت کو شرع کے خلاف قرار دیتے ہیں۔ لوگوں کے اس گروہ کو امید نہیں ہے کہ اپنے نقص وعیب کی طرف متنبہ کیا جاسکے اور گہری نیند سے بیدار کیا جاسکے۔

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ.[1]

بے شک تم جس کو دوست رکھتے ہو اس کو ہدایت نہیں کر سکتے۔

وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُورِ.[2]

اور تم ان لوگوں کی باتوں کو جو قبروں میں ہیں نہیں سن سکتے۔

---

[1] سورۂ قصص، آیت ۵۶

[2] سورۂ فاطر: ۲۲

ہاں ! وہ لوگ جو راقم الحروف کی طرف بے چارے ہر جگہ سے بے خبر ہیں، ان کا دل حیات معرفت اور محبت الٰہیہ سے زندہ نہیں ہے۔ مردے ہیں جن کے بدن کا غلاف ہی ان کی قبر بنا ہوا ہے اور جسم کے اس غبار اور تاریک بدن کی اس تنگنائے نے اس کو تمام عالم نور اور جہان (نورعلیٰ نور) سے محجوب کر رکھا ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللهُ لَهُ نُوْرًا فَمَا لَهُ مِنْ نُّوْرٍ [1]

اور جسے اللہ نور (ہدایت) نہ دے تو اس کے لئے کوئی نور نہیں ہے۔

اس گروہ کے سامنے کتنا ہی حدیث و قرآن اور محبت و عشق الٰہی اور حب لقاء و انقطاع بہ حق کی باتیں کیجئے، ہر بات کی توجیہ و تاویل کرنا شروع کر دیتے ہیں اور اپنی رائے کے مطابق تفسیر کرنے لگتے ہیں۔ لقائے الٰہی اور حب الٰہی سے متعلق تمام آیات کی توجیہ جنت کے درختوں اور حسین عورتوں سے کرتے ہیں!! ہمیں نہیں معلوم کہ یہ لوگ مناجات شعبانیہ کے ان فقروں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں! امامؑ درگاہ الٰہی میں عرض کرتے ہیں:

إِلٰهِي هَبْ لِي كَمَالَ الِانْقِطَاعِ إِلَيْكَ وَ أَنِرْ أَبْصَارَ قُلُوبِنَا بِضِيَاءِ نَظَرِهَا إِلَيْكَ حَتَّى تَخْرِقَ أَبْصَارُ الْقُلُوبِ حُجُبَ النُّورِ فَتَصِلَ إِلَى مَعْدِنِ الْعَظَمَةِ وَ تَصِيرَ أَرْوَاحُنَا مُعَلَّقَةً بِعِزِّ قُدْسِكَ إِلٰهِي وَ اجْعَلْنِي مِمَّنْ نَادَيْتَهُ فَأَجَابَكَ وَ لَاحَظْتَهُ فَصَعِقَ لِجَلَالِكَ. [2]

آخر یہ، حجب نور، کیا ہیں ؟ کیا، نظر بہ حق، سے مراد جنت کی گلا بیاں ہیں؟ کیا، معدن عظمت، بہشت کے محلات ہیں؟ کیا، تعلق ارواح بہ عز قدس، کا مقصد قضائے شہوت کے لئے دامن حورالعین سے وابستگی ہے؟ کیا یہ، جلال الٰہی میں محویت اور بے ہوشی، بہشتی عورتوں کے حسن و جمال میں کھوجانا ہے ؟ کیا وہ جذبے اور عشوے جو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے، صلوٰۃ معراج، میں پیش آئے اور وہ انوار عظمت بلکہ عظمت سے بھی بالا تر، جن کا آنحضرتؐ نے مشاہدہ کیا اس محفل میں جس میں جانے سے سب سے بڑا فرشتہ جبرئیل امین علیہ السلام بھی محرم اسرار نہ تھا اور ایک انگشت کے برابر بھی آگے بڑھنے کی جرات نہ کر سکا، کیا یہ جذب و کشش کسی انتہا حسین و خوش جمال عورت کے لئے تھی ؟ یا مثلاً آفتاب و ماہتاب کے نور سے بڑھے ہوئے کسی نور کو دیکھ رہے تھے؟ کیا وہ قلب سلیم جس کے بارے میں معصوم علیہ السلام نے

[1] سورۂ نور:۴۰

[2] اقبال الاعمال (ط-القدیمۃ) / ج 2 / 687 /فصل فیما نذکرہ من [عن] الدعاء فی شعبان مروی عن ابن خالویہ..... ص: 685

آیۂ مبارکہ "إِلَّا مَنْ أَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ"[۱] (سوائے اس کے جو قلب سلیم کے ساتھ پیش خدا آئے) کے ذیل میں فرمایا: قلب سلیم یہ ہے کہ اللہ سے اس طرح ملاقات کرے کہ اس میں حق کے سوا کچھ نہ ہو[۲]

کیا اس سے مراد کہ حق کے سوا کچھ نہ ہو، یہ ہے کہ کرامت حق کے سوا کچھ نہ ہو؟

میرے سر پر خاک کہ عناں قلم میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور میں شطحیات میں مشغول ہو گیا لیکن، لعمر الحبیب، کہ اس کلام سے سوائے اس کے اور کوئی مقصد نہیں ہے کہ برادران ایمانی، خصوصاً اہل علم کے لئے ایک انتباہ ہو کہ کم سے کم مقامات اہل اللہ کا تو انکار نہ کریں، کیونکہ یہ انکار تمام شقاوتوں اور بدبختیوں کا سرچشمہ ہے۔ ہمارا مقصد یہ نہیں کہ اہل اللہ کون لوگ ہیں، بلکہ مقصود یہ ہے کہ مقامات کا انکار نہ کیا جائے۔ رہی یہ بات کہ ان مقامات کا حامل کون ہے؟ خدا بہتر جانتا ہے یہ وہ امر جس کی اطلاع کسی کو نہیں۔

آن راکہ خبر شد خبری باز نیامد [۳]

ایک اور گروہ ہے جس کو اہل معرفت کے مقامات سے تو انکار نہیں ہے اور اہل اللہ سے کوئی عناد بھی نہیں رکھتا۔ دنیا میں اشتغال، اس کی تحصیل، دنیا کی فانی لذتوں میں ہمیشہ پڑے رہنے نے ان کو کسی علم، کسی عمل، کسی رزق، اور کسی بھی حال کی تحصیل سے روک رکھا ہے۔ یہ ان بیماروں کی طرح ہیں جنہیں اپنی بیماری کی تصدیق تو ہو چکی ہے، لیکن پیٹ ان کو نہیں چھوڑتا کہ پرہیز کریں اور کڑوی دوا کا استعمال کریں۔ اسی طرح پہلا گروہ ان بیمارون کی طرح ہے جو دار وجود میں نہ ایسے کسی مرض کا وجود مانتے ہیں نہ مریض کا۔ حالانکہ خود مرض میں مبتلا ہیں۔ پھر بھی سرے سے مرض کے وجود ہی کے منکر ہیں۔

ایک گروہ اربھی ہے جس نے کسب علم تو کیا ہے اور تحصیل معارف میں علم کی حد تک اشتعال بھی باقی رکھا ہے، لیکن معارف کی حقیقتوں اور اہل اللہ کے مقامات کے لئے فقط اصطلاحات و الفاظ اور زرق برق عبارات پر اکتفا کئے بیٹھے ہیں۔ خود بھی اصطلاحات و الفاظ کی زنجیروں میں مقید ہیں اور کچھ لوگوں کو بھی جکڑ رکھا ہے۔ یہ لوگ تمام مقامات سے

---

[۱] سورہ شعراء: ۸۹

[۲] اصول کافی، ج ۳، ص ۲۶، کتاب الایمان والکفر، باب الاخلاص، حدیث ۵

[۳] این مدعیان در طلبش بے خبرانند
آن راکہ خبر شد خبری باز نیامد
(سعدیؒ)

ہے دعوی خبر دوست سخت بے خبری جسے خبر ہوئی اس کی خبر نہیں آئی۔

صرف نظر کر کے صرف باتوں پر قناعت کئے بیٹھے ہیں۔ ان لوگوں میں ایک ایسا گروہ پیدا ہوجاتا ہے جو خود تو خود کو خوب پہچانتا ہے، مگر شوق ریاست پورا کرنے کے لئے ایک بے چارے ناواقف گروہ پر ان بے مغز اصطلاحات کو تھوپ کر اپنے لئے حصول معاش کا ذریعہ بنا لیتے ہیں اور خود آئندہ الفاظ اور جاذب توجہ باتوں سے بندگان خدا کے سادہ و صاف دلوں کو شکار کیا کرتے ہیں۔ یہ انسانی شیاطین ہیں جو ابلیس ملعون سے کم خطرناک اور نقصان رساں نہیں۔ یہ بے چارے نہیں جانتے کہ بندگان خدا کے دل منزل گاہ حق ہیں اور ان پر کسی کو تصرف کرنے کا حق نہیں۔ یہ منزل گاہ حق کے غاصب اور کعبہ حقیقی کے غارت گر ہیں۔ بت تراشتے ہیں اور بندگاہ خدا کے دل میں جو کعبہ، بلکہ بیت المعمور ہے، سجاد یتے ہیں۔ یہ ایسے مریض ہیں جو طبیب بنے ہوئے ہیں اور بندوں کو طرح طرح کی مہلک بیماریوں میں پھنسا دیتے ہیں۔

اس گروہ کی پہچان یہ ہے کہ مالداروں اور بڑے بڑے لوگوں کے ارشاد و ہدایت سے زیادہ سروکار رکھتے ہیں۔ محتاجوں اور درویشوں کی ہدایت سے انہیں کوئی مطلب نہیں۔ ان کے زیادہ تر مرید صاحبان جاہ و مال ہیں اور وہ خود بھی مالداروں اور صاحبان جاہ و مال کی طرح رہتے ہیں۔ ان کی باتیں بڑی دلفریب ہوتی ہیں کہ خود کو، ہزار طرح کی دنیاوی آلودگیوں کے باوجود مریدوں کی نظر میں پاک و پاکیزہ بنائے رہتے ہیں اور اپنے کو اہل اللہ سے جوڑے رہتے ہیں۔ وہ بے چارے بے وقوف بھی ان کے عیوب کو محسوس کرتے ہیں اور آنکھیں بند کئے رہتے ہیں اور بے روح اصطلاحات والفاظ سے خوش ہوجاتے ہیں۔

جب بات یہاں تک پہنچ گئی تو مناسب ہوگا کہ ایک دو حدیثیں جو اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں، ذکر کی جائیں۔ اگرچہ سلسلہ گفتگو سے باہر کی بات ہے، لیکن کلام اہل بیتؑ سے برکت حاصل کرنا اچھا ہے۔

عن کتاب الخصال للشیخ الصدوق رحمه الله، باسناده الی ابی عبدالله علیه السلام،

قال: إِنَّ مِنَ الْعُلَمَاءِ مَنْ يُحِبُّ أَنْ يَخْزُنَ عِلْمَهُ وَ لَا يُؤْخَذَ عَنْهُ فَذَاكَ فِي الدَّرْكِ الْأَوَّلِ مِنَ النَّارِ

وَ مِنَ الْعُلَمَاءِ مَنْ إِذَا وُعِظَ أَنِفَ وَ إِذَا وَعَظَ عَنَّفَ فَذَاكَ فِي الدَّرْكِ الثَّانِي مِنَ النَّارِ

وَ مِنَ الْعُلَمَاءِ مَنْ يَرَى أَنْ يَضَعَ الْعِلْمَ عِنْدَ ذَوِي الثَّرْوَةِ وَ الشَّرَفِ وَ لَا يَرَى لَهُ فِي الْمَسَاكِينِ وَضْعاً فَذَاكَ فِي الدَّرْكِ الثَّالِثِ مِنَ النَّارِ

وَ مِنَ الْعُلَمَاءِ مَنْ يَذْهَبُ فِي عِلْمِهِ مَذْهَبَ الْجَبَابِرَةِ وَ السَّلَاطِينِ فَإِنْ رُدَّ عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْ قَوْلِهِ أَوْ قُصِّرَ فِي شَيْءٍ مِنْ أَمْرِهِ غَضِبَ فَذَاكَ فِي الدَّرْكِ الرَّابِعِ مِنَ

النَّارِ
وَ مِنَ الْعُلَمَاءِ مَنْ يَطْلُبُ أَحَادِيثَ الْيَهُودِ وَ النَّصَارَى لِيُغْزِرَ بِهِ وَ يُكْثِرَ بِهِ حَدِيثَهُ فَذَاكَ فِي الدَّرْكِ الْخَامِسِ مِنَ النَّارِ
وَ مِنَ الْعُلَمَاءِ مَنْ يَضَعُ نَفْسَهُ لِلْفُتْيَا وَ يَقُولُ سَلُونِي وَ لَعَلَّهُ لَا يُصِيبُ حَرْفاً وَاحِداً وَ اللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُتَكَلِّفِينَ فَذَاكَ فِي الدَّرْكِ السَّادِسِ مِنَ النَّارِ وَ مِنَ الْعُلَمَاءِ مَنْ يَتَّخِذُ عِلْمَهُ مُرُوءَةً وَ عَقْلًا «3» فَذَاكَ فِي الدَّرْكِ السَّابِعِ مِنَ النَّارِ.[1]

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''بعض علماء دوست رکھتے ہیں کہ علم کو جمع کر لیں مگر دوسروں کو سکھانا پسند نہیں کرتے، یہ جہنم کے پہلے نچلے طبقہ میں جائیں گے۔ بعض علماء وہ ہیں کہ جب نصیحت کرتے ہیں تو فخر ومباہات کرتے ہیں اور جب دوسرے انہیں نصیحت کرتے ہیں تو غضبناک ہو جاتے ہیں، یہ جہنم کے دوسرے طبقہ میں ہوں گے۔ بعض علماء وہ ہیں جو علم کو بڑے لوگوں اور مال داروں تک محدود رکھتے ہیں اور غریبوں میں علم کے لئے کوئی جگہ نہیں سمجھتے، یہ جہنم کے تیسرے طبقہ میں ہوں گے۔ بعض اہل علم وہ ہیں جنہوں نے سرکشوں اور بادشاہوں کا طریقہ اختیار کر رکھا ہے، اگر انہیں پلٹ کر جواب دے دیا جائے یا ان کی خدمت میں کوئی قصور وتقصیر ہو جائے تو غصہ میں آ جاتے ہیں، یہ جہنم کے چوتھے طبقہ میں ہوں گے۔ کچھ علماء ایسے ہیں جو یہود ونصاریٰ کی باتوں کو حاصل کرتے ہیں اور اپنے علم کے ساتھ ان کے علم کو جمع کرتے ہیں تا کہ اس کا علم زیادہ ہو جائے، یہ لوگ جہنم کے پانچویں طبقہ میں ہوں گے۔

کچھ ایسے علماء ہیں جو مسند فتویٰ پر تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں اور کہتے ہیں (جو چاہو) مجھ سے پوچھو اور اکثر ایک لفظ بھی نہیں سمجھتے اور خدا ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو ایسے کام میں خود کو لگاتے ہیں، جس کے اہل نہیں ہیں یہ لوگ جہنم کے چھٹے طبقے میں ہوں گے۔ ایک اور گروہ علماء کا ہے جنہوں نے علم کو تکبر ونخوت اور فضل فروشی بنا لیا ہے، یہ جہنم کے ساتویں طبقہ میں ہوں گے

وعن الكلينی رحمه الله فی جامعه الكافی بإسناده الی الباقر علیہ السلام: مَنْ طَلَبَ

[1] الخصال، ج ۲، ص ۳۵۲، باب ۷، حدیث ۳۳

الْعِلْمَ لِيُبَاهِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ أَوْ يُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ أَوْ يَصْرِفَ بِهِ وُجُوهَ النَّاسِ إِلَيْهِ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ إِنَّ الرِّئَاسَةَ لَا تَصْلُحُ إِلَّا لِأَهْلِهَا. [1]

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص علم حاصل کرے تاکہ اسکے ذریعہ اہل علم پر فخر و مباہات کرے یا جاہلوں اور نادانوں سے بحث کرے یا لوگوں کو اپنی طرف کھینچے اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ ریاست اہل ریاست کے علاوہ کسی کو زیب نہیں دیتی۔

وعن الصادق علیہ السلام: إِذَا رَأَيْتُمُ الْعَالِمَ مُحِبّاً لِلدُّنْيَا فَاتَّهِمُوهُ عَلَى دِينِكُمْ فَإِنَّ كُلَّ مُحِبٍّ لِشَيْءٍ يَحُوطُ مَا أَحَبَّ

وَ قَالَ أَوْحَى اللَّهُ تَعَالَى إِلَى دَاوُدَ عَلَا تَجْعَلْ بَيْنِي وَبَيْنَكَ عَالِماً مَفْتُوناً بِالدُّنْيَا فَيَصُدَّكَ عَنْ طَرِيقِ مَحَبَّتِي فَإِنَّ أُولَئِكَ قُطَّاعُ طَرِيقِ عِبَادِيَ الْمُرِيدِينَ إِنَّ أَدْنَى مَا أَنَا صَانِعٌ بِهِمْ أَنْ أَنْزِعَ حَلَاوَةَ مُنَاجَاتِي مِنْ قُلُوبِهِمْ [2]

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے: جب کسی عالم کو دنیا کا دوست دار پاؤ تو اپنے دین کے بارے میں اسے متہم قرار دو (امور دین میں اس پر اعتماد نہ کرو) کیونکہ ہر چیز کا دوست دار اسی کے چکر میں رہتا ہے۔

اور امامؑ نے فرمایا: خداوند عالم نے حضرت داود علیہ السلام پر وحی کی: میرے اور اپنے درمیان کسی ایسے عالم کو واسطہ نہ قرار دینا جو دنیا پر فریفتہ ہو، کیونکہ وہ تم کو میری محبت سے دور کردے گا۔ یہ لوگ حق طلب بندوں کی راہ کے ڈاکو ہیں یقیناً کم سے کم کے ساتھ جو عمل میں کروں گا وہ یہ ہے کہ ان کے دل سے اپنی مناجات کی شرینی نکال لوں گا۔

اس گروہ میں جو لوگ عیار و مکار اور کلاہ بردار نہیں ہیں اور خود سالک طریق آخرت ہیں اور معارف ومقامات کی تحصیل کا عزم کئے ہیں، کبھی کبھی ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ رہزن شیطان سے فریب کھا کر مغرور ہو جاتے ہیں اور معارف ومقامات حقیقت میں انہیں اصطلاحات علمیہ کو سمجھتے ہیں جو انہوں نے خود تراشی ہیں یا دوسروں کی تراشی ہوئی ہیں۔ یہ لوگ بھی تا آخر عمر سارا نقد جوانی اور متاع زندگانی اصطلاحات کی تعداد بڑھانے اور کتابوں اور رسالوں کو حفظ و ضبط

[1] اصول کافی، ج ۱، ص ۵۹، کتاب فضل العلم، باب المستاکل بعلمہ، حدیث ۶
[2] اصول کافی، ج ۱، ص ۵۹، کتاب فضل العلم، باب المستاکل بعلمہ، حدیث ۴

کرنے میں صرف کر دیتے ہیں۔مثلاً علمائے تفسیر قرآن کا ایک گروہ قرآن سے استفادہ بس اس بات میں مضمر سمجھتا ہے کہ اختلافات قرائت، معانی لغات، تعاریف کلمات، لفظی و معنوی محسنات، وجوہ اعجاز قرآن، معانی عرفیہ اس سلسلہ میں لوگوں کی تفہیم قرآن کا اختلاف معلوم کرلیں اور قرآنی دعوات، روحانی جہات اور معارف الٰہیہ سے یکسر غافل ہیں۔ یہ لوگ بھی مریض ہی جیسے ہیں جنہوں نے طبیب کی طرف رجوع کیا اور اس سے نسخہ بھی حاصل کیا ہے، لیکن اپنا علاج نسخہ کو یاد کرنے اور اسے محفوظ رکھنے اور اس میں لکھی ہوئی دواؤں کی ترکیب استعمال کی کیفیت میں مضمر سمجھتے ہیں۔ان کی بیماری مار ڈالے گی، کیونکہ نسخہ کا علم اور طبیب کی طرف رجوع ان کے لئے بالکل بے کار ثابت ہوگا۔ (جب تک لکھی ہوئی دوائیں حاصل کر کے لکھی ہوئی ترکیب استعمال کے مطابق استعمال نہ کرے)۔

اے عزیز! تمام علوم عملی ہیں، یہاں تک علم توحید کے بھی اعمال ہیں! قلبیہ بھی اور قالبیہ بھی،توحید باب تفعیل سے ہے اور اس لئے اس کے معنی کثرت کو وحدت کی طرف پلٹانے ہیں اور یہ ایک روحانی اور قلبی علمی ہے۔ جب تک کہ فعلاً موجود کثرتوں میں واقعی اور حقیقی سبب کو نہ پہچانو گے اور چشم حق بین پیدا نہ کرلو گے اور خدا کو طبیعت میں نہ دیکھو گے اور طبیعی وغیر طبیعی کثرتوں کی تمام جہتوں کو حق اور افعال حق میں فانی نہ کردو گے اور جب تک تمہارے دل میں فاعلیت حق کی وحدت کی حاکمیت کا پرچم نہ لہرائے گا، خلوص، اخلاص، صفا اور تصفیہ سے یکسر دور اور توحید سے مہجور رہو گے۔

تمام افعالی ریاکاروں اور اکثر قلبی ریاکاریاں توحید افعالی میں نقص کی وجہ سے ہیں۔ وہ شخص جو ایک بے چارے کمزور اور نکمے آدمی کو دار وجود میں موثر جانتا ہے اور مملکت حق میں متصرف سمجھتا ہے وہ خود کو ان کے جذب قلوب سے کیسے بے نیاز سمجھ سکتا ہے اور کس طرح اپنے عمل کو شرک شیطان سے پاک وصاف اور خالص کر سکتا ہے؟ تمہیں چاہئے کہ سرچشمہ کو صاف رکھو تا کہ اس سے صاف پانی نکلے ورنہ کیچڑ سے بھرے ہوئے چشمہ سے صاف پانی کی امید نہیں رکھنا چاہئے۔تم اگر بندوں کے دلوں کو حق تعالیٰ کے تصرف میں سمجھتے ہو اور (یا مقلب القلوب) کے معانی کا ذائقہ اپنے دل کو چکھا چکے ہو اور دل کے کانوں کو پہچان چکے ہو تو اس کمزوری و ناتوانی کے ہوتے ہوئے دلوں کو شکار کرنے کے چکر میں نہ پڑو اور اگر (بیدہ ملکوت کل شی ولہ الملک و بیدہ الملک) کی حقیقت دل کو سمجھا لے جاؤ تو لوگوں کے دلوں کو کھینچنے کی فکر سے بے نیاز ہو جاؤ گے۔اس کمزور مخلوق کے کمزور دلوں کو اپنے محتاج نہ سمجھے اور قلبی استغناء حاصل ہو جائے گا۔تم نے خود ہی احتیاج کا احساس کیا ہے اور لوگوں کو اپنا کارساز سمجھ لیا ہے۔ اس لئے دلوں کو اپنی طرف موڑنے کے محتاج ہو گئے اور اپنی پاکیزگی کو بیچ کر خود کو لوگوں کے دلوں پر متصرف گمان کرلیا تو ریاکاری کے محتاج ہو گئے۔ اگر حق کو کارساز سمجھا ہوتا اور خود کو بھی عالم کون میں متصرف نہ سمجھا ہوتا تو اس طرح کے شرک کی احتیاج پیدا نہ ہوتی۔

اے توحید کا دعویٰ کرنے والے مشرک! اے فرزند آدمؑ کی شکل بنائے ہوئے ابلیس!! تو نے شیطان سے یہ

میراث پائی ہے جوخود کو متصرف سمجھتا ہے اور (لاغوینهم) کا نعرہ لگا تا ہے۔ وہ بد بخت شقی شرک وخود بینی کے حجابوں میں پڑا ہوا ہے اور وہ لوگ جو خود کو اور عالم کو مستقل جانتے ہیں، کسی کے زیر سایہ، کسی کے زیر تصرف نہیں سمجھتے، نہ کسی کی ملکیت جانتے ہیں وہ ابلیس کی شیطنت کی میراث پائے ہوئے ہیں۔ خواب گراں سے چونکو اور صحیفہ نورانی ربانی اور کتاب الٰہی کی آیات اپنے دل تک پہنچاؤ۔ یہ عظیم آیات ہمیں اور تمہیں بیدار کرنے کے لئے نازل کی گئی ہیں اور ہم نے اپنی تمام لذات کو تجوید وقرائت ظاہری میں منحصر کر رکھا ہے اور اس کے علوم ومعارف سے غفلت برت رہی ہیں، یہاں تک کہ ہم پر شیطان کی حکومت مسلط ہوگئی۔ شیطان ہم پر حکمرانی کرنے لگا اور ہم شیطان کے زیر نگیں ہو گئے۔

عجلت کے خیال سے اس مطلب کو یہیں پر ختم کرتا ہوں اور اس گفتگو کو کسی دوسرے موقع کے لئے چھوڑ تا ہوں۔ انشاء اللہ آداب قرائت میں اس سلسلہ میں کچھ بیان کیا جائے گا اور قرآن مجید سے استفادہ کا راستہ اپنے لئے اور بندگان خدا کے لئے کھولا جائے گا۔

باذن اللہ وحسن توفیقہ

والسلام

فصل پنجم

اخلاص کے کچھ اور درجات کا بیان

سلسلہ سخن یہاں تک پہنچا تو اخلاص کے کچھ اور درجات کا بیان ناگزیر ہو گیا جو اس مقام کے مناسب ہے۔

اخلاص کے درجات میں سے ایک درجہ تصبیہ عمل ہے استحقاق اجر و ثواب پر نظر کرنے سے اس کے مقابل اجر کی خواہش اور ثواب و حق المحنت کے استحقاق کی امید کا شائبہ ہے اور یہ شائبہ عمل میں خود پسندی کے ایک مرتبہ کے وجود سے خالی نہیں، جس سے سالک کو خالص ہونا چاہیئے۔ استحقاق کی یہ امید اپنے حال اور اللہ کی معرفت میں کمی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور یہ بھی ایک شیطانی شجرۂ خبیثہ ہے جس کی بنیاد اپنی اور اپنے عمل کی فکر اور انیت و انانیت پر ہے۔ انسان بے چارہ جب تک اپنے اعمال کی فکر کے حجاب میں رہے گا اور ان کو اپنے اعمال سمجھتا رہے گا اس مرض سے نجات نہیں پا سکتا اور اس تصفیہ و اخلاص تک نہیں پہنچ سکے گا۔ لہٰذا سالک کو چاہیئے کہ کوشش اور قلبی ریاضتوں کے ذریعہ اور سلوک عقلی و عرفانی کے سہارے قلب کو سمجھائے کہ تمام اعمال اللہ کے عطایا اور اس کی نعمتیں ہیں، جو اللہ نے بندہ کے اختیار میں دے دی ہیں۔ جب توحید فعلی سالک کے دل میں جگہ بنا لے گی تو عمل کو اپنا نہیں سمجھے گا (بلکہ اللہ کی عطا کردہ نعمت سمجھے گا) اور ثواب کا خواہشمند نہیں ہوگا بلکہ ثواب کو فضل و کرم اور نعمتوں کو ابتدائی سمجھے گا۔

ائمہ اطہار علیہم السلام کے کلام میں، خصوصاً صحیفہ سجادیہ میں، وہ نورانی و ربانی صحیفہ جو عارف اللہ کے آسمان عرفان اور حضرت سید ساجدین علیہ السلام کی عقل نورانی سے نازل ہوا ہے تا کہ بندگان خدا کو مادیت کے قید خانہ سے نجات دلائے۔ عبودیت اور محضر ربوبیت میں قیام کا ادب سکھائے۔ اس لطف الٰہی بہت ذکر آیا ہے۔ چنانچہ بتیسویں دعا میں درگاہ حق میں عرض کرتے ہیں:

فَلَكَ الْحَمْدُ عَلَى ابْتِدَائِكَ بِالنِّعَمِ الْجِسَامِ، وَ إِلْهَامِكَ الشُّكْرَ عَلَى الْإِحْسَانِ.

[۱]

پس حمد صرف تیرے لئے ہے کیونکہ تو نے ہی عظیم نعمتیں دینے کی ابتدا کی اور اپنے احسان پر شکر کرنا مجھے بتایا۔

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

نعمك ابتداء و احسانك التفضل [۲]

مصباح الشریعہ میں ارشاد ہے:

وَ أَدْنَى حَدِّ الْإِخْلَاصِ بَذْلُ الْعَبْدِ طَاقَتَهُ ثُمَّ لَا يَجْعَلُ لِعَمَلِهِ عِنْدَ اللّٰهِ قَدْراً فَيُوجِبَ بِهِ عَلَى رَبِّهِ مُكَافَأَةً بِعَمَلِهِ لِعِلْمِهِ. [۳]

اخلاص کی کم سے کم میزان یہ ہے کہ بندہ اپنی ساری توانائی (خوشنودی خدا کے لئے) کام میں لائے اور اپنے عمل کو پیش خدا کسی اجر وثواب کے لائق نہ سمجھے، کیونکہ اسے تو خود اللہ نے فرض کیا ہے۔

اخلاص کا ایک اور درجہ تصفیہ عمل ہے اپنے عمل کو زیادہ سمجھنے، اس پر خوش ہونے اور اس پر اعتماد اور دلچسپی سے۔ یہ بھی سلوک کے اہم امور میں سے ایک ہے جو اس کو قافلہ سالکان سے بہت پیچھے چھوڑ دیتا ہے اور مادیات کے اندھیرے زندان یا مقید کر دیتا ہے اور یہ بھی شیطان کے شجرۂ خبیثہ سے اگتا ہے اور اس خودخواہی کا ایک حصہ ہے جو

---

[۱] الصحیفة السجادیة/ 152 / (32)(و کان من دعائه علیه السلام بعد الفراغ من صلاة اللیل لنفسه فی الاعتراف بالذنب)

[۲] میں نے صحیفہ سجادیہ مکمل چھان لی لیکن صحیفہ سجادیہ میں مذکور جملہ کہیں بھی نہیں ہے بلکہ جو حوالہ دیا گیا وہاں صرف اور صرف مذکورہ جملے کا پہلا حصہ ہے اور وہ بھی لفظ آگے پیچھے ہیں یعنی "ابْتِدَائِكَ بِالنِّعَمِ" اصل فارسی نسخہ کمپوز شدہ ہے اس کے چھاپ شدہ نسخوں اور نور سوفٹ ویئر کے نسخوں میں بھی یہ غلطی موجود ہے حتیٰ بعد میں جب اردو زبان ترجمہ ہوا تب بھی اس کی تصحیح نہیں ہوسکی بس اتفاق سے یہ چیز میری نظروں میں آگئی میرے اندازے کے مطابق امام راحلؒ نے جس جملہ کی طرف اشارہ کیا ہے وہ یہ ہے: إِذْ جَمِيعُ إِحْسَانِكَ تَفَضُّلٌ، وَإِذْ كُلُّ نِعَمِكَ ابْتِدَاءٌ. (صحیفہ سجادیہ، دعا۱۲) مصحح مجاہد حسین حرّ

[۳] مصباح الشریعہ، الباب السادس والسبعون، فی الاخلاص

میراث شیطانی ہے جس نے "خَلَقْتَنِی مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ"[۱] (تو نے مجھے آگ سے اور اسے مٹی سے پیدا کیا) یہ اپنے مقام اور اپنے معبود کے مقام عظمت سے انسان کی جہالت کی اس قسم ہے (لہٰذا عمل کو اس سے صاف رکھنا لازم ہے)۔

اگر بے چارہ ممکن (جس کا وجود وعدم برابر ہے) اپنی بے چارگی، ناتوانی اور نقص و عجز کے مقام کو جان لے اور حق تعالیٰ کے کمال و کبریائی اور عظمت کے مقام کو پہچان لے تو ہرگز اپنے عمل کو بڑا نہ سمجھے اور خود کو قیام امر کرنے والوں میں شمار نہ کرے۔ بے چارہ اس عمل کو جس کی ایک سال کی قیمت بازار دنیا میں چند سکوں سے زیادہ نہیں مانی جاتی وہ بھی اگر صحیح اور قانون کے مطابق انجام پایا ہو، اس کی دو رکعتوں سے لامحدود توقعات وابستہ کئے ہے۔ یہ ہے اپنے عمل کو زیادہ سمجھنا اور اس پر خوش ہونا، جس سے کثیر اخلاقی مفاسد اور ایسے اعمال وجود میں آتے ہیں جن کا ذکر طول کلام کے سبب ہوگا۔

احادیث شریفہ میں اس مطلب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ کافی شریف میں امام موسیٰ بن جعفر علیہما السلام سے باسناد نقل ہے:

اِنَّهٗ قَالَ لِبَعْضِ وُلْدِهٖ: عَلَيْكَ بِالْجِدِّ وَ لَا تُخْرِجَنَّ نَفْسَكَ مِنْ حَدِّ التَّقْصِيرِ فِي عِبَادَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ طَاعَتِهٖ فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَا يُعْبَدُ حَقَّ عِبَادَتِهٖ.[۲]

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اپنے ایک فرزند سے فرمایا: بیٹا! تم پر لازم ہے کہ عبادت خدا میں کوشاں رہو اور خود کو ہرگز خدائے تعالیٰ کی عبادت و اطاعت میں تقصیر سے مبرا نہ قرار دو، کیونکہ خدا کی عبادت کا حق ادا ہونا ہی نہیں ہے۔

وَ قَالَ فِي حَدِيثٍ اٰخَرَ: كُلُّ عَمَلٍ تُرِيدُ بِهِ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ فَكُنْ فِيهِ مُقَصِّرًا عِنْدَ نَفْسِكَ فَإِنَّ النَّاسَ كُلَّهُمْ فِي أَعْمَالِهِمْ فِيمَا بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ اللّٰهِ مُقَصِّرُونَ إِلَّا مَنْ عَصَمَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ.[۳]

آپؑ ہی نے فرمایا: ہر اس عمل میں، جو تم خدا کے لئے انجام دیتے ہو، اس کے کماحقہ

---

[۱] سورۂ اعراف، آیت ۱۲، سورۂ ص، آیت ۷۶

[۲] اصول کافی، ج ۳، ص ۱۱۶، کتاب الایمان والکفر، باب الاعتراف بالتقصیر، حدیث ۱

[۳] اصول کافی، ج ۳، ص ۱۱۶، کتاب الایمان والکفر، باب الاعتراف بالتقصیر، حدیث ۴

بجالانے سے خود کو تقصیر وار سمجھو، کیونکہ سوائے اس کے جسے اللہ نے خود محفوظ رکھا ہو، تمام لوگ جو کام اپنے اور اللہ کے درمیان انجام دیتے ہیں ان میں تقصیر وار ہیں۔

وعنه علیہ السلام: وَلَا تَسْتَكْثِرُوا كَثِيرَ الْخَيْرِ. [۱]

زیادہ نیکی کو زیادہ نہ سمجھو (خدا کی عبادت و اطاعت کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو اس کی عظمت کے مقابلہ میں کم ہے)۔

صحیفہ کاملہ میں ملائکۃ اللہ کی صفت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الَّذِينَ يَقُولُونَ إِذَا نَظَرُوا إِلَى جَهَنَّمَ تَزْفُرُ إِلَى أَهْلِ مَعْصِيَتِكَ سُبْحَانَكَ مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ. [۲]

جب وہ لوگ جہنم کی طرف دیکھیں گے کہ کس طرح تیری نافرمانی کرنے والوں کی طرف لپک رہا ہے تو کہیں گے، تو پاک ہے ہم نے تیری عبادت اس طرح نہیں کی جو تیری عبادت کا حق ہے۔

اے ناتواں! جس جگہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جو عارف ترین خلق ہیں اور ان کا عمل سب کے عمل سے نورانی تر اور عظیم تر ہے، عجز و تقصیر کا اعتراف کرتے ہیں اور "**مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ وَ مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ.**" [۳] (جیسا کہ تجھے پہچاننے کا حق ہے ویسا ہم نے تجھے نہیں پہچانا، اور جیسا تیری عبادت کا حق ہے ہم نے تیری ویسی عبادت نہیں کی) فرماتے ہیں اور ائمہ معصومین علیہم السلام اس طریقہ سے اظہار عجز و قصور و تقصیر فرماتے ہیں، تو

از بشہ لاغری چہ خیزد [۴]

---

[۱] اصول کافی، ج ۳، ص ۳۹۴، کتاب الایمان والکفر، باب استغفار الذنب، حدیث ۲

[۲] صحیفہ سجادیہؑ، تیسری دعا

[۳] بحار الانوار (ط - بیروت) / ج 68 / 23 / باب 61 الشکر..... ص: 18

[۴] جای کہ عقاب پر بریزد
از پشہ لاغری چہ خیزد،
جس جگہ عقاپر ڈال دیتا ہو وہاں ایک کمزور سا پشہ کیا اٹھا پائے گا؟
امثال و حکم دہ خدا، ج ۲، ص ۵۷۹، شاعر کے نام کا ذکر نہیں۔

ہاں ! ان کے مقام معرفت کا تقاضا یہی تھا کہ ممکن کے عجز اور واجب تعالیٰ کی عزت وعظمت کا اظہار واعتراف کریں۔مگر ہم بے چارے جہالت اور طرح طرح کے حجابوں میں پڑے ہونے کے باوجود گردن اٹھائے کھڑے ہیں اور خودفروشی وعمل فروشی کررہی ہیں۔

سبحان اللہ !! سچ فرمایا امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

"عُجْبُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهِ أَحَدُ حُسَّادِ عَقْلِهِ" [1]

خود پسندی عقل کی ایک دشمن ہے۔

کیا یہ بے عقلی نہیں کہ شیطان ایک امر ضروری سے ہم کو غافل کردے اور ہم عقل کی میزان پر اسے تولنے کی بھی فکر نہ کریں ؟ ہم خود اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہمارے اور عام انسانوں کے اعمال، بلکہ تمام ملائکۃ اللہ اور روحانیین کے اعمال، قیاس کی میزان میں ذرا بھی نسبت حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ ھدیٰ علیہم السلام کے اعمال سے نہیں رکھتے جس کی مقدار کو ذرا بھی محسوس کیا جاسکے اور جس کی قیمت کا کچھ بھی حساب ہو سکے، پھر بھی قیام امر سے اعتراف تقصیر اوراظہار و عجز ان بزرگ ہستیوں کی جانب سے متواتر ہے، بلکہ تواتر کی حد سے بھی آگے ہے۔ یہ دو قضیہ ضروریہ (معصومین علیہم السلام کا بہترین عمل، اوران کا اعتراف تقصیر) ہم کو اس نتیجہ تک پہنچاتے ہیں کہ ہمیں اپنے کسی ایک عمل پر بھی خوش نہ ہونا چاہئے، بلکہ اگر ساری دنیا کی عمر کے برابر بھی ہم اطاعت وعبادت میں کھڑے رہیں تب بھی نادم وشرمسار ہوں اور خجالت سے سرخم کئے رہیں۔ یہ سب جاننے کے باوجود شیطان نے ہمارے دلوں پر اس درجہ اختیار حاصل کر لیا ہے اوراس طرح ہمارے عقول وحواس پر مسلط ہوگیا ہے کہ ان بدیہی مقدمات سامنے کی باتوں سے بھی ہم کو نتیجہ اخذ نہیں کرتے، بلکہ ہمارے دلوں کے احوال اس کے بالکل برعکس ہیں۔

وہ سید وسردار، جس کی ایک ضربت خندق، بنص وتصدیق رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام جن وانس کی عبادت سے بہتر ہے۔ [2]

ان تمام عبادات وریاضات کے باوجود جن کے سامنے دنیا کے سب سے بڑے عبادت گزار سید الساجدین حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے اظہار عجز کیا ہے کہ ان جیسے ہوسکیں۔ [3]

---

[1] نہج البلاغہ، فیض الاسلام، ص ۱۱۷۲، حکمت ۲۰۳

[2] لَضَرْبَةُ عَلِيٍّ يَوْمَ الْخَنْدَقِ أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَيْنِ. (اقبال الاعمال (ط-القديمة) / ج 1 / 467 / فصل فيما نذكره من جواب من سأل عما في يوم الغدير من الفضل وقصر فهمه عما ذكرناه من ذلك النقل. ..... ص: 466)

[3] مَنْ يَقْوَى عَلَى عِبَادَةِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ ـ ــ، (بحار الانوار (ط-بيروت) / ج 41 / 17 / باب 101 ص: 11)

ان کا اظہار عجز و تذلل اور اعتراف قصور و تقصیر ہم سے کہیں بیش تر و بالاتر ہے۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ماسوا اللہ،تمام موجودات جن کے بندۂ درگاہ اوران کے خوان معارف کے ریزہ خوار ہیں اورانہیں سے تعلیم پائے ہوئے ہیں۔ امرالٰہی کے لئے اس طرح قیام کرتے ہیں۔ختم نبوت کا خلعت زیب تن ہونے کے بعد، جو دائرہ کمال کی سیر کا اتمام ہے اورمعرفت وتوحید کی تعمیر کی آخری اینٹ ہے، دس سال تک کوہ حرا میں قیام امرکرتے ہیں اور اطاعت الٰہی میں مشغول رہتے ہیں، یہاں تک کہ آپؐ کے قدموں پر ورم آجاتا ہے اورآیت نازل ہوتی ہے،

طٰهٰ.مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى. [1]

طا۔ھا۔ہم نے اس لئے آپ پر قرآن نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔

اے پاک رہبر! ہم نے تم پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ تم مشقت میں پڑ جاؤ) تم پاک ہو اور ہادی ہو۔ اگر لوگ تمہاری اطاعت نہ کریں تو خود ان کا نقص اور شقاوت ہے۔تمہارے سلوک و ہدایت کا نقص نہیں۔اس کے بعد بھی رسولؐ اپنے عجز وقصور کا اعلان فرماتے ہیں۔

سید ابن طاووس (قدس سرہ) جناب امام زین العابدین علیہ السلام سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں۔ہم برکت کے لئے اسے اس رسالہ میں تحریر کررہے ہیں۔اگر چہ ذرا طولانی ہے،لیکن چونکہ اس میں امامؑ کے بعض حالات کی تفصیل موجود ہے اس لئے شامہ ارواح ان سے معطر ہوتا ہے اور ذائقہ قلوب لذت محسوس کرتا ہے۔

فتح,فتح الأبواب مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ دَاوُدَ الْخَرَاجِيُّ عَنْ أَبِيهِ وَ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ حَسَنٍ الْمُقْرِي عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ بْنِ أَبِي يَعْقُوبَ الْهَمْدَانِيِّ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ الْحُسَيْنِيِّ عَنِ الْآمِدِيِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ قُرَيْبٍ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: دَخَلْتُ مَعَ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِمَا الصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ عَلَى عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَرْوَانَ.

قَالَ فَاسْتَعْظَمَ عَبْدُ الْمَلِكِ مَا رَأَى مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ بَيْنَ عَيْنَيْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ عليه السلام

فَقَالَ يَا أَبَا مُحَمَّدٍ لَقَدْ بَيَّنَ عَلَيْكَ الِاجْتِهَادُ وَ لَقَدْ سَبَقَ لَكَ مِنَ اللَّهِ الْحُسْنَى وَ أَنْتَ بَضْعَةٌ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وآله قَرِيبُ النَّسَبِ وَ كِيدُ السَّبَبِ وَ إِنَّكَ لَذُو فَضْلٍ

[1] سورۂ طٰہٰ:۱،۲

عَظِيمٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِكَ وَ ذَوِي عَصْرِكَ وَ لَقَدْ أُوتِيتَ مِنَ الْفَضْلِ وَ الْعِلْمِ وَ الدِّينِ وَ الْوَرَعِ مَا لَمْ يُؤْتَهُ أَحَدٌ مِثْلُكَ وَ لَا قَبْلَكَ إِلَّا مَنْ مَضَى مِنْ سَلَفِكَ وَ أَقْبَلَ يُثْنِي عَلَيْهِ وَ يُطْرِيهِ.

قَالَ فَقَالَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ ع كُلُّ مَا ذَكَرْتَهُ وَ وَصَفْتَهُ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ سُبْحَانَهُ وَ تَأْيِيدِهِ وَ تَوْفِيقِهِ فَأَيْنَ شُكْرُهُ عَلَى مَا أَنْعَمَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَقِفُ فِي الصَّلَاةِ حَتَّى تَرِمَ قَدَمَاهُ وَ يَظْمَأُ فِي الصِّيَامِ حَتَّى يُعْصَبَ فُوهُ فَقِيلَ لَهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَ لَمْ يَغْفِرْ لَكَ اللَّهُ- مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَ مَا تَأَخَّرَ

فَيَقُولُ ﷺ أَ فَلَا أَكُونُ عَبْداً شَكُوراً

الْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى مَا أَوْلَى وَ أَبْلَى وَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْآخِرَةِ وَ الْأُولَى وَ اللَّهِ لَوْ تَقَطَّعَتْ أَعْضَائِي وَ سَالَتْ مُقْلَتَايَ عَلَى صَدْرِي لَنْ أَقُومَ لِلَّهِ جَلَّ جَلَالُهُ بِشُكْرِ عُشْرِ الْعَشِيرِ مِنْ نِعْمَةٍ وَاحِدَةٍ مِنْ جَمِيعِ نِعَمِهِ الَّتِي لَا يُحْصِيهَا الْعَادُّونَ وَ لَا يَبْلُغُ حَدَّ نِعْمَةٍ مِنْهَا عَلَيَّ جَمِيعُ حَمْدِ الْحَامِدِينَ- لَا وَ اللَّهِ أَوْ يَرَانِيَ اللَّهُ لَا يَشْغَلُنِي شَيْءٌ عَنْ شُكْرِهِ وَ ذِكْرِهِ فِي لَيْلٍ وَ لَا نَهَارٍ وَ لَا سِرٍّ وَ لَا عَلَانِيَةٍ.

وَ لَوْ لَا أَنَّ لِأَهْلِي عَلَيَّ حَقّاً وَ لِسَائِرِ النَّاسِ مِنْ خَاصِّهِمْ وَ عَامِّهِمْ عَلَيَّ حُقُوقاً- لَا يَسَعُنِي إِلَّا الْقِيَامُ بِهَا حَسَبَ الْوُسْعِ وَ الطَّاقَةِ حَتَّى أُؤَدِّيَهَا إِلَيْهِمْ لَرَمَيْتُ بِطَرْفِي إِلَى السَّمَاءِ وَ بِقَلْبِي إِلَى اللَّهِ ثُمَّ لَمْ أَرْدُدْهُمَا حَتَّى يَقْضِيَ اللَّهُ عَلَى نَفْسِي وَ هُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ وَ بَكَى ع وَ بَكَى عَبْدُ الْمَلِكِ. الخبر [1]

زہری کہتے ہیں کہ، میں حضرت علی بن الحسین علیہ السلام کے ساتھ عبدالملک بن مروان کے پاس گیا۔ جب عبدالملک کی نظر امامؑ کی پیشانی پر پڑی اور سجدہ کا نشان دیکھا تو تعجب کے عالم میں کہا: اے ابومحمدؑ! آثار کوشش (عبادت میں) آپؑ کی پیشانی پر ظاہر ہیں۔ حالانکہ خدا نے آپؑ کے لئے پہلے ہی خیر و نیکی مقرر و مقدر کردی ہے۔ آپؑ جسم پیغمبرؐ کا حصہ ہیں۔ آپؑ کی ان سے نسبت

[1] بحار الانوار، ج ۴۶، ص ۵۷، فتح الابواب

قریبی اورآپؑ کا رشتہ محکم ہے۔ پھر آپؑ اپنے افراد خاندان اوراپنے زمانہ کے تمام لوگوں پر عظیم فضیلت و برتری رکھتے ہیں اورعلم وفضل اورتقویٰ جو آپؑ کو حاصل ہے وہ آپؑ کے خاندان کے بزرگان سلف کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں اورنہ اب ہے۔

اوراسی طرح امامؑ کی بہت مدح کی۔تب حضرت علی بن الحسین علیہما السلام نے فرمایا:

جو کچھ تو نے فضل اورتائید وتوفیق خدا کے بارے میں ہمارے متعلق کہا: ان نعمتوں کا شکر کیسے ادا ہوسکتا ہے اے امیر المومنین؟

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں قیام کرتے تھے تو آپؐ کے پیروں میں ورم آجاتا تھا اورروزہ کی حالت میں آپؐ کا دہن پیاس سے خشک ہو جاتا تھا۔ آنحضرتؐ سے لوگوں نے کہا: اے رسول خداؐ! کیا خدا نے آپؐ کے اگلے پچھلے سب گناہ نہیں بخش دئے ہیں؟ (سورۂ فتح کی آیت ۲، کی طرف اشارہ)۔

آپؐ نے ارشادفرمایا: کیا مجھے شکر گزار بندہ نہیں ہونا چاہئے؟

اس خدا کے لئے حمد ہے اس انعام پر جو اس نے عطا فرمایا ہے اورہم کو اس سے آزمایا ہے اورسب تعریف اسی کے لئے ہے دنیا وآخرت میں۔ خدا کی قسم! اگر میرے بدن کے اعضاء ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اورمیری آنکھیں نکل کر میرے سینے پر آپڑیں، تاکہ اس کی ان نعمتوں میں سے ایک نعمت کے دسویں حصہ کا شکریہ ادا کروں، جن کو تمام شمار کرنے والے مل کر بھی شمار نہیں کر سکتے اورتمام حمد کرنے والوں کی حمد ان میں سے ایک نعمت کا شکریہ کا حق بھی ادا نہیں کرسکتی تو بخدا اس کا کامل شکر ادا نہیں ہوسکتا۔ سوائے اس کے کہ خدا مجھے اس حال میں دیکھے کہ شب وروز، خلوت وجلوت میں کوئی چیز مجھے اس کے ذکر وشکر سے روک نہیں رہی ہے۔

اوراگر میرے خاندان والوں کا مجھ پر حق نہ ہوتا اور دوسروں کے بھی مجھ پر حق نہ ہوتے جن کو بقدر طاقت ادا کرنا ناگزیر ہے تو میں اپنی آنکھ آسمان پر جمائے رہتا اوراپنا دل خدا سے لگائے رہتا اورآنکھوں اوردل کو نہ ہٹاتا یہاں تک کہ خدا میری جان لے لیتا اوروہ بہترین حاکم ہے۔

اس کے بعد حضرتؑ رونے لگے اورعبدالملک بھی رونے لگا۔

باب چہارم

آداب قرائت و اسرار قرائت کا بیان

اس باب میں سورۂ مبارکہ (حمد) کی تفسیر ہے، کچھ سورۂ مبارکہ (توحید)
اور سورۂ مبارکہ (قدر) کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔
یہ باب اس رسالہ کا عزیز ترین باب ہے
اور اس میں چند مصباح ہیں۔

وَ قَالَ الْجَوَادُ علیہ السلام:

اَلْعِفَافُ زِيْنَةُ الْفَقْرِ ، وَ الشُّكْرُ زِيْنَةُ الْغِنٰى ، وَ الصَّبْرُ زِيْنَةُ الْبَلَاۤءِ ، وَ التَّوَاضُعُ زِيْنَةُ الْحَسَبِ ، وَ الْفَصَاحَةُ زِيْنَةُ الْكَلَامِ ، وَ الْحِفْظُ زِيْنَةُ الرِّوَايَةِ ، وَ خَفْضُ الْجَنَاحِ زِيْنَةُ الْعِلْمِ ، وَ حُسْنُ الْاَدَبِ زِيْنَةُ الْعَقْلِ ، وَ بَسْطُ الْوَجْهِ زِيْنَةُ الْكَرَمِ ، وَ تَرْكُ الْمَنِّ زِيْنَةُ الْمَعْرُوْفِ ، وَ الْخُشُوْعُ زِيْنَةُ الصَّلٰوةِ ، وَ التَّنَفُّلُ زِيْنَةُ الْقَنَاعَةِ ، وَ تَرْكُ مَا يُعْنٰى زِيْنَةُ الْوَرَعِ۔ [1]

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے فرمایا:

فقر کی زینت، پاکدامنی ہے۔بے نیازی کی زینت،شکر ہے۔ بلا و مصیبت کی زینت،صبر ہے۔حسب ونسب کی زینت،تواضع ہے۔ کلام و گفتگو کی زینت،فصاحت ہے۔ روایت کی زینت، حفظ (زبانی یاد کرنا، از بر کرنا) ہے۔علم کی زینت، انکساری ہے۔عقل کی زینت،ادب ہے۔ کرم وبخشش کی زینت،خوشروئی ہے۔ نیکو کاری کی زینت،احسان نہ جتانا ہے۔نماز کی زینت،خشوع (قلبی توجہ) ہے۔ قناعت کی زینت،اپنے وظیفہ سے زیادہ انفاق کرنا ہے۔ ورع و پرہیزگاری کی زینت،مطلوبہ وپسندیدہ چیزوں کا ترک کرنا ہے۔

[1] الفصول المہمۃ: ص ۲۷۴، ۲۷۵

مصباح اول

قرآن شریف کی قرائت آداب

اس میں چند فصلیں ہیں۔

فصل اول

کتاب الٰہی کی قرائت کے آداب

کتاب الٰہی کی قرائت کے آداب میں سے ایک، جس میں عارف و عامی سب ہی شریک ہیں اور اس سے اچھے نتائج حاصل ہوئے ہیں اورنورانیت قلب وحیات باطن کا سبب ہوتا ہے (تعظیم) ہے اور یہ خدا کی عظمت و بزرگی اور جلالت و کبریائی کے سمجھنے پر موقوف ہے۔ یہ معنی اگرچہ حقیقت میں بیان کے حدود سے خارج اور طاقت بشر سے باہر ہیں، کیونکہ ہر چیز کی عظمت کا سمجھنا اس کی حقیقت کے سمجھنے پر موقوف ہے اور منازل خلقی میں اترنے اور فعلیت کے مختلف اطوار واحوال سے گزرنے سے قبل حقیقت قرآن الٰہی حضرت واحدیت کے شئون ذاتیہ میں سے ایک شان اور اس کے حقائق علمیہ میں سے ایک حقیقت ہے اور وہ حقیقت (کلام نفسی) ہے جو اسماء کے حضور میں ذاتی مقارعہ ہے اور یہ حقیقت نہ کسی کو علوم رسمیہ سے حاصل ہوسکتی ہے نہ معارف قلبیہ سے اور نہ مکاشفہ غیبیہ سے حاصل ہوسکتی ہے تو بس محفل انس (قاب قوسین) میں بلکہ خلوت گاہ سر مقام (اوادنیٰ) میں حضرت ختمی مرتبتؐ کی ذات مبارک کے لئے مکاشفہ تامہ الٰہیہ کے ذریعہ! آپؐ کے علاوہ نوع بشر میں کسی بھی فرد کا دست امید وہاں پہنچنے سے قاصر ہے، سوائے اولیائے خالصین کے جو انوار معنویہ اور حقائق الٰہیہ کے مطابق اس ذات مقدس (حضرت ختمی مرتبتؐ) کی روحانیت میں مشترک ہیں اور تبعیت تامہ کے واسطہ سے آنحضرتؐ میں فانی ہیں کہ علوم مکاشفہ کو وراثت کے طور پر آنحضرتؐ سے سیکھتے ہیں اور حقیقت قرآن جس نورانیت وکمال کے ساتھ آنحضرتؐ کے قلب مبارک پر تجلی کرتی ہے۔ اسی نورانیت وکمال کے ساتھ ان کے دلوں پر منعکس ہوتی ہے بغیر اس کے کہ کسی منازل میں اترے اور مختلف احوال واطوار سے گزرے۔ یہ وہ قرآن ہے جو تحریف وتغیر سے پاک ہے اور کتاب وحی الٰہی ہے جو شخص (بعد رسولؐ) اس قرآن کا تحمل کرسکتا ہے وہ ولی اللہ المطلق حضرت علی

بن ابی طالب علیہ السلام کی ذات مبارک ہے۔

باقی سب لوگ اس حقیقت کو تب تک اخذ نہیں کر سکتے جب تک وہ مقام غیب اور منزل شہادت سے نہ اتر آئیں، مختلف احوال و اطوار ملکیہ سے نہ گزر جانے اور الفاظ وحروف دنیاوی کا لباس نہ پہن لے۔ تحریف کے معانی میں سے یہ ایک معنی ہیں جو تمام کتاب الٰہی اور قرآن شریف میں واقع ہوئی ہے اور تمام آیات شریفہ، تحریف بلکہ تحریفات کے ساتھ، ان منازل و مراحل کے مطابق جو حضرت اسماء سے عوالم شہادت و ملک تک طے ہوئی ہیں، انسانی دسترس میں دی گئی ہیں۔ تحریف کے مراتب کی تعداد بطون قرآن کے مراتب کی تعداد کے مطابق ہے (طابق النعل بالنعل) مگر یہ فرق ضرور ہے کہ تحریف، مراتب عوالم کے مطابق غیب مطلق سے شہود مطلق میں نزول ہے اور بطون، شہود مطلق سے غیب مطلق کی طرف رجوع ہے۔ لہٰذا مبدا تحریف اور مبدا بطون ایک دوسرے کے برعکس ہیں اور سالک الی اللہ مراتب بطون میں سے جس مرتبہ کو بھی پاتا جائے گا، تحریف کے ایک مرتبہ سے خالص ہوتا جائے گا۔ یہاں تک کہ جب بطن مطلق تک، جو ساتواں بطن ہے، مراتب کلیہ کے مطابق پہنچ جائے گا تو مطلق طور پر تحریف سے خالص ہو چکا ہوگا۔ اس طرح ممکن ہے کہ قرآن شریف میں کسی شخص کے لئے ہر قسم کی تحریفات موجود ہوں اور کسی کے لئے تحریف کے بعض مراتب موجود ہوں اور کسی کے لئے اصلاً تحریف ہی نہ ہو۔ یہ ممکن ہے کہ ایک ہی شخص کے لئے ایک حال میں محرف نہ ہو اور دوسرے حال میں تحریف کی بعض قسموں کے اعتبار سے محرف ہو۔

اور جیسا کہ معلوم ہو چکا، عظمت قرآن کو سمجھنا ادراک کے دائرہ سے باہر ہے، لیکن اسی نازل شدہ کتاب کی عظمت کی طرف ایک اشارہ، جو تمام انسانوں کی دسترس میں ہے، کثیر فائدے رکھتا ہے (اس لئے ہم اس کو بیان کرتے ہیں)۔

اے عزیز! معلوم رہے کہ ہر کلام اور ہر کتاب کی عظمت یا متکلم اور کاتب کی وجہ سے ہوتی ہے یا اس کے مطالب و مقاصد کی عظمت کی وجہ سے یا اس کے نتائج وثمرات کی وجہ سے یا رسول اللہؐ اور اس کے واسطہ کے عظمت کی وجہ سے یا جس کی طرف اسے بھیجا گیا ہے اور جو اس کا حامل ہے اس کی عظمت کی وجہ سے یا اس کے حافظ ونگہبان کی عظمت کی وجہ سے یا اسکے شارح ومبین کی عظمت کی وجہ سے یا اس کے وقت ارسال اور کیفیت ارسال کی عظمت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ان امور میں سے بعض ذاتی اور جوہری اعتبار سے عظمت میں دخیل ہیں اور بعض عرضاً اور بالواسہ اور بعض کاشف عظمت ہیں۔ یہ تمام مذکورہ امور اس نورانی صحیفہ میں بطور اعلیٰ و اولیٰ موجود ہیں، بلکہ قرآن کے مختصات میں سے ہیں۔ کوئی اور یا تو ان میں اصلاً شریک ہی نہیں یا عظمت کے تمام مراتب میں شریک نہیں۔

قرآن کے متکلم اور اس کے انشاء کرنے والے اور صاحب قرآن کی عظمت یہ ہے کہ وہ ایسا عظیم مطلق ہے کہ

ملک وملکوت میں جتنی عظمتوں کا تصور ہوسکتا ہے اور جتنی قدرتیں عالم غیب وشہادت میں نازل ہوئی ہیں سب اس ذات مقدس کے فعل کی تجلیات عظمت کا ایک قطرہ ہیں اورحق تعالیٰ کا عظمت کی تجلی کے ساتھ کسی کے لئے تجلی کرنا ممکن نہیں ہے۔ وہ تو ہزاروں حجابوں اور پردوں کے پیچھے سے تجلی کرتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

أَنَّ لِلّٰہِ تَبَارَكَ وَ تَعَالَی سَبْعِینَ أَلْفَ حِجَابٍ مِنْ نُورٍ وَ ظُلْمَةٍ لَوْ كُشِفَتْ لَأَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهِ مَا دُونَه.[1]

بے شک خدا کے لئے ستر ہزار نور وظلمت کے حجاب ہیں۔ اگر وہ حجاب ہٹ جائیں تو اس کے رخ کی لطیف وپاکیزہ، تابانیاں، ماسوائی کو جلادیں۔

اور اہل معرفت کے نزدیک یہ کتاب شریف حق تعالیٰ سے تمام شئون ذاتیہ وصفاتیہ وفعلیہ اور تمام تجلیات جلالیہ وجمالیہ کی مبدایت کے ساتھ صدار ہوئی ہیں۔ دوسری آسمانی کتابوں کو یہ مرتبت ومنزلت حاصل نہیں ہے۔

قرآن کی عظمت اس کے مضامین اور مطالب ومقاصد کے اعتبار سے بیان کرنے کے لئے ایک مستقل فصل، بلکہ فصول وابواب اور جداگانہ رسالہ وکتاب کی ضرورت ہے تاکہ اس میں کچھ تھوڑا بہت بیان کیا جاسکے۔ ہم اجمالی طور سے ایک مستقل فصل میں اس کے کلیات کی طرف اشارہ کریں گے اور اسی فصل میں انشاء اللہ نتائج وثمرات کی حیثیت سے بھی اس کی عظمت کی طرف اشارہ کریں گے۔

اور قرآن کی عظمت اس کے فرشتہ وحی اور واسطہ تنزیل کے اعتبار سے، تو وہ جبریل امین اور روح اعظم ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ردائے بشریت سے باہر آنے اور پارہ قلب کا رخ حضرت جبروت کی طرف موڑنے کے بعد مسلسل اسی روح اعظم کے ساتھ رہتے ہیں۔ جبریل دار وجود کے ارکان اربعہ میں سے ایک ہیں، بلکہ سب سے بڑا رکن اور اپنی نوع میں سب سے اعلیٰ واشرف ہیں، کیونکہ وہ نورانی ذات علم وحکمت پر مؤکل ملک اور ارزاق معنوی اور اطعمہ روحانی کا ذمہ دار ہے۔ کتاب خدا اور احادیث شریفہ سے جبریل کی عظمت اور تمام ملائیکہ پر ان تقدم ثابت ہے۔[2]

اور قرآن کی عظمت مرسل الیہ اور اس کے حامل کے اعتبار سے، تو اس کا حامل حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پاک وپاکیزہ دل ہے، جس پر حق تعالیٰ نے تمام شئون ذاتی وصفاتی واسمائی وافعالی کے ساتھ تجلی فرمائی اور جو ختم نبوت اور

---

[1] بحارالانوار، ج ۵۵، ص ۴۵، میں یہ حدیث طریق عامہ سے نقل ہوئی ہے۔

[2] سورہ ہائے شعراء، آیت ۱۹۳، نجم: ۵، ۹، تکویر: ۱۹، ۲۴، بحارالانوار، ج ۵۶، ص ۲۵۸، کتاب السماء والعالم، ابواب الملائکہ، باب آخر فی وصف الملائکۃ المقربین، حدیث ۲۳، ۲۴

ولایت مطلقہ کا حامل ہے اور جو خود اکرم مخلوقات، اعظم موجودات، خلاصہ ہستی، جوہرۂ وجود، عطر دار تحقق، لبنہ اخیرہ، صاحب برزخیت کبریٰ وخلافت عظمٰی ہیں۔

قرآن کی عظمت اس کے حافظ ونگہبان کے اعتبار سے یہ ہے کہ اس کی حافظ ونگہبان خود حق تعالیٰ کی ذات مقدس ہے۔ چنانچہ آیۂ کریمہ میں ارشاد ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ.[1]

بے شک ہم نے ہی ذکر (قرآن) اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

قرآن کی عظمت شارح ومبین کے اعتبار سے یہ ہے کہ اس کے شارح ومفسر حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر حضرت حجت عجل اللہ ظہورہ تک سب معصوم ذوات مقدسہ ہیں جو مفاتیح وجود، مخازن کبریا، معادن حکمت ووحی و اصول معارف وعوارف اور صاحبان مقام جمع وتفصیل ہیں۔

قرآن کی عظمت وقت نزول کے اعتبار سے یہ ہے کہ وہ شب قدر میں نازل ہوا کہ سب سے عظیم رات (خیر من الف شہر) نورانی ترین خانہ زمانہ اور درحقیقت ولی مطلق ورسول ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کا وقت وصول ہے۔

قرآن کی عظمت کیفیت وحی کے اعتبار سے: اس کا بیان اس رسالہ کی محدود وسعت سے باہر ہے اور جداگانہ فصل کا محتاج ہے اور چونکہ یہ موضوع طولانی ہے اس لئے ہم اس سے صرف نظر کرتے ہیں۔

والحمد للہ علم توفیقہ

---

[1] یقیناً ہم نے ذکر قرآن کو نازل کیا اور یقیناً ہم اس کے محافظ ہیں۔ سورۂ حجر، آیت ۹)

فصل دوم

کتاب الٰہی کے مشتملات اور مقاصد و مطالب

معلوم رہنا چاہئے کہ یہ کتاب شریف، جیسا کہ خود صراحت کی ہے، کتاب ہدایت، راہنمائے سلوک انسانیت، مربی نفوس، شفائے امراض قلبیہ اور نور بخش سیر الی اللہ ہے۔

وبالجملہ، خدائے تعالیٰ نے اس کتاب کو اپنے بندوں پر اپنی رحمت وسیع کرنے کی غرض سے اپنے مقام قرب و قدس سے نازل کیا ہے اور عوالم کے تناسب کے لحاظ سے اتارا ہے۔ یہاں تک کہ اس میں تاریخ عالم اور زندان مادیت تک پہنچی اور الفاظ و حروف کے لباس میں ظاہر ہوئی تاکہ دنیا کے اس تاریک زندان کے اسیروں کو آزاد کرائے اور امیدوں اور آرزوؤں کی زنجیروں میں جکڑے ہوؤں کو رہائی دلائے اور ان کو نقص و ناتوانی وحیوانیت کی پستی سے اوج کمال وقوت و انسانیت تک پہنچائے اور شیطان کی معاشرت سے نکال کر ملکوتیین کی رفاقت میں دے دے، بلکہ ان کی مقام قرب تک رسائی ہو جائے اور لقاء الٰہی کے مرتبہ کو حاصل کر لیں جو اہل اللہ کا سب سے بڑا مقصود و مطلوب ہے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب، کتاب دعوت حق وسعادت ہے اور اس میں حق وسعادت تک پہنچنے کے طریقے بتائے گئے ہیں اور اس کے مندرجات اجمالاً وہ ہیں جو تو اس سیر وسلوک الٰہی میں دخل رکھتے ہیں یا سالک ومسافر الی اللہ کے مددگار ہیں۔ کلی طور پر ان اہم مقاصد میں ایک مقصد معرفت خدا کی طرف دعوت اور معارف الٰہیہ کا بیان ہے یعنی شئون ذاتی، شئون اسمائی، شئون صفاتی اور شئون افعالی کا بیان اور ان میں سب سے زیادہ توحید ذات، توحید اسماء اور توحید افعال کا بیان ہے جن میں سے بعض کو صراحت کے ساتھ اور بعض کو جامع اشارہ میں بیان کیا گیا ہے۔

معلوم رہنا چاہئے کہ اس جامع الٰہی کتاب میں معرفت ذات سے لے کر معرفت افعال تک یہ تمام معارف اس

طرح مذکور ہیں کہ ہر طبقہ اپنی استعداد کے بقدر ان کا ادراک کرسکتا ہے۔ چنانچہ توحید سے متعلق آیات شریفہ کو خصوصاً توحید افعال سے متعلق آیات کا علمائے ظاہر اور محدثین وفقہاء رضوان اللہ علیہم جس طرح بیان اور تفسیر کرتے ہیں وہ کلیۃً اہل معرفت اور علمائے باطن کے بیان وتفسیر کے خلاف ہے۔ راقم الحروف کی نظر میں دونوں ہی اپنے اپنے مقام پر صحیح کہتے ہیں۔

چنانچہ آیہ کریمہ

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ [1]

وہی اول ہے اور وہی آخر، وہی ظاہر ہے اور وہی باطن۔

اور آیہ

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ [2]

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

اور آیہ

وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ [3]

اور وہ وہی ہے جو آسمان میں بھی خدا ہے اور زمین میں بھی وہی خدا ہے۔

اور آیہ

هُوَ مَعَكُمْ [4]

وہ تمہارے ساتھ ہے

اور آیہ

فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ [5]

سوتم جدھر بھی رخ کرو ادھر ہی اللہ کی ذات موجود ہے۔

---

[1] سورۂ حدید: ۳

[2] سورۂ نور: ۳۵

[3] سورہ زخرف، آیت ۸۴

[4] سورۂ حدید، آیت ۴

[5] سورۂ بقرہ: ۱۱۵

مذکورہ آیات کریمہ توحید ذات کے بارے میں ہیں اور دوسری آیات کریمہ سورہ حشر وغیرہ کی توحید صفات کے بارے میں اور آیۂ کریمہ

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ [1]

وہ سنگریزے تو نے نہیں پھینکے جبکہ تو نے پھینکے بلکہ خدا نے پھینکے۔

اور آیۂ کریمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. [2]

ہر قسم کی تعریف اس اللہ کے لیے جو سب جہانوں کا پروردگار ہے۔

ورآیہ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ. [3]

وہ سب چیزیں جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اس اللہ کی تسبیح کرتی ہیں۔

توحید افعال میں جن میں سے بعض آیتیں زیادہ دقیق اور باریک رخ سے عرفانی دلالت رکھتی ہیں۔ علمائے ظاہر اور علمائے باطن میں سے ہر ایک طبقہ کے لئے ایک طریقہ سے شفائے امراض ہے اور حالانکہ بعض آیات شریفہ، جیسے سورۂ حدید کی ابتدائی آیات اور سورۂ توحید کا نزول کافی کی حدیث کے مطابق آخری زمانہ کے باریکی اور گہرائی سے سوچنے والوں کے لئے ہوا ہے۔ مگر اہل ظاہر کے لئے بھی اس میں استفادہ کے کافی مواقع ہیں۔ یہ جہاں اس کتاب شریف کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے وہاں اسکی جامعیت کی ایک دلیل بھی ہے۔ [4]

قرآن کے مطالب و مقاصد میں سے ایک مادی آلودگیوں سے باطن کی تطہیر اور نفس کی تہذیب اور تحصیل سعادت کی دعوت ہے اور مختصر لفظوں میں، سیر وسلوک الی اللہ کا طریقہ ہے۔

یہ مطلب دو اہم شعبوں میں تقسیم ہے، ایک تقویٰ، اپنے تمام مراتب کے ساتھ جس میں غیر حق سے پرہیز اور ماسوائے اللہ سے مطلقاً اعراض شامل ہے۔ دوسرے تمام مراتب وشئون پر ایمان جس میں حق کی بارگاہ میں حاضری (اقبال بہ حق) اور اس ذات مقدس کے سامنے توبہ و انابت اور یہ اس کتاب کے اہم مقاصد میں ہے کہ اس کے اکثر

---

[1] جب تم نے تیر پھینکا تو تم نے نہیں پھینکا بلکہ خدا نے پھینکا، سورۂ انفال، آیت ۱۷

[2] سورۂ حمد، آیت ۱

[3] جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ کی تسبیح کرتے ہیں، سورۂ تغابن، آیت ۱

[4] اصول کافی، ج ۱، ص ۱۲۳، کتاب التوحید، باب النسبہ، حدیث ۳

مطالب بالواسطہ یا بلا واسطہ اسی مقصد کے لئے ہیں۔

اس صحیفہ الٰہیہ کے مطالب و مقاصد میں دوسرا مقصد انبیاء، اولیاء اور حکماء کے قصص و حکایات ہیں اور یہ کہ خدا نے ان کی تربیت کس طرح کی اور انہوں نے خلق خدا کی تربیت کس طرح کی۔ ان قصوں میں بے شمار فائدے اور کثیر تعلیمات ہیں۔ ان قصوں میں اس قدر معارف الٰہیہ اور تعلیمات و تربیت ربانی کے تذکرے اور رموز ہیں کہ عقل حیران رہ جائے۔(سبحان اللہ ولہ الحمد والمنۃ) قصہ آدمؑ ہی میں دیکھ لیجئے۔ خلقت آدمؑ، ملائکہ سجدے کا حکم، تعلیم اسماء، ابلیس و آدمؑ کے قضئے جن کا ذکر کتاب خدا میں بار بار آیا ہے، جس میں اس قدر تعلیم و تربیت اور معارف و معالم ہیں کہ انسان حیرت میں پڑ جاتا ہے۔ مگر اس شخص کے لئے کہ "لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ"[1] (اس کے لئے جس کے پاس دل ہو یا حضورِ قلب سے کان لگائے)۔

قصص قرآنیہ، جیسے قصہ آدمؑ و موسیٰؑ و ابراہیمؑ اور دیگر انبیاء کے قصے قرآن میں بار بار ذکر کئے جانے میں یہی نکتہ ہے کہ یہ کتاب، کتاب قصہ و تاریخ نہیں ہے، بلکہ کتاب سیر و سلوک الی اللہ اور کتاب توحید و معارف و مواعظ و حکم ہے اور ان امور میں تکرار ہی مطلوب ہے تاکہ سخت اور بے رحم نفسوں میں کسی طرح تو تاثیر پیدا ہو اور دلوں کو ان سے کسی طرح تو نصیحت حاصل ہو۔ دوسرے لفظوں میں جو شخص تعلیم و تربیت اور انذار و تبشیر کرنا چاہتا ہے اس کو چاہئے کہ اپنا مقصد مختلف عبارتوں اور طرح طرح سے، کبھی قصہ و حکایت کے ضمن میں، کبھی تاریخ و نقل کے ذریعہ، کبھی صریح لہجہ میں، کبھی اشارات و کنایات میں اور کبھی امثال و رموز کے سہارے ذہنوں میں اتارے تاکہ مختلف نفوس اور منتشر دل سب اس سے استفادہ کر سکیں۔

اور چونکہ قرآن شریف تمام طبقات اور جملہ انسانی نسلوں کی سعادت کے لئے ہے اور افراد انسانی حالات قلوب، عادات و اخلاق اور زمان و مکان کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ اس لئے ہر ایک کو ایک ہی طرح سے دعوت نہیں دی جا سکتی۔ بہت سے نفوس ایسے ہوتے ہیں جو صاف و صریح لہجہ سے تعلیم حاصل کرنے اور سادہ انداز میں اصل مطلب کی تحصیل کے لئے حاضر نہیں ہوتے اور ان سے متاثر نہیں ہوتے۔ ان کو ان کے دماغ کی ساخت کے مطابق دعوت دی جانی چاہئے اور مقصد سمجھایا جانا چاہئے اور بہت سے نفوس ایسے ہوتے ہیں کہ قصص و حکایات اور تواریخ سے سروکار نہیں رکھتے اور اصل مطلب اور روح مقصد سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو پہلے لوگوں کے ساتھ ایک ہی ترازو میں نہیں تولنا چاہئے۔ بہت سے دل تخویف و انذار سے مناسبت رکھتے ہیں۔ بعض قلوب وعدہ و بشارت سے علاقہ رکھتے ہیں۔

---

[1] سورۂ ق: ۲۷

انہی وجوہ کی بنا پر کتاب الٰہی نے مختلف قسموں، متعدد ہنروں اور طرح طرح سے لوگوں کو دعوت دی ہے اور ایسی کتاب میں تکرار ناگزیر ہے۔ دعوت اور موعظہ تکرار اور تفنن کے بغیر بلاغت کے دائرہ سے خارج ہے اور اس سے جو کچھ امید باندھی گئی ہے کہ نفوس متاثر ہوں گے بغیر تکرار کے پوری نہیں ہوتی۔

اس خوبی کے ساتھ ہی یہ خوبی بھی ہے کہ اس کتاب شریف میں قضایا ایسے شریں انداز میں بیان ہوئے ہیں کہ ان کی تکرار کسالت اور اکتاہٹ پیدا نہیں کرتی، بلکہ جتنی دفعہ اصل مطلب کی تکرار کرو، محسوس ہوتا جاتا ہے کہ جو خصوصیات ولواحق اس میں ذکر کئے گئے ہیں اور کہیں نظر نہیں آتے، بلکہ ہر مرتبہ کوئی اہم عرفانی یا اخلاقی نکتہ مورد نظر بن جاتا ہے اور قضیہ اسی کے اطراف میں گردش کرنے لگتا ہے۔ اس مطلب کا بیان قصص قرآن کے بارے میں مکمل مطالعہ اور محنت چاہتا ہے۔ جس کی گنجائش اس مختصر رسالہ میں نہیں ہے اور نحیف کے دل میں یہ آرزو مستحکم ہے کہ بقدر امکان توفیق الٰہی سے قصص قرآنی اور حل رموز اور ان کے ذریعہ تعلیم وتربیت سے متعلق ایک کتاب مرتب کروں۔ اگرچہ راقم الحروف جیسے انسان کے لئے اس ذمہ داری کو پورا کرنا ایک خیال خام اور آرزوئے محال ہے۔

وبالجملہ، قصص انبیاء علیہم السلام کے تذکرے اور ان کے سیر وسلوک کی کیفیت، بندگان خدا کو ان کی تربیت کے طور طریق، حکم ومواعظ اور ان کے مجادلات حسنہ معارف اور حکمتوں کے عظیم ابواب اور سعادت وتعلیمات کے بلند دروازے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے کھولے ہیں اور جس طرح اصحاب سلوک وریاضت کے لئے ان سے بڑا فائدہ اور کافی فیض حاصل ہوتا ہے دوسرے لوگوں کے لئے بھی بہت کچھ نصیب اور بے حد نفع ہے۔ چنانچہ آیۂ کریمہ "فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ" [1] (جب ان پر رات کی تاریکی چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ کو دیکھا) سے بطور مثال اہل معرفت ابراہیم علیہ السلام کے سیر وسلوک معنوی کی کیفیت کا ادراک کرتے ہیں اور سلوک الی اللہ اور سیر الی الحق کی راہ معلوم کرتے ہیں اور سیر نفسی اور سلوک معنوی کی حقیقت کو منتہائے ظلمت سے، جس کی تعبیر اس مسلک میں (جن علیہ اللیل) سے کی گئی ہے، انیت وانانیت کو مطلقاً چھوڑ دینے، خود اور خود پرستی کو ترک کرنے، مقام قدس تک پہنچنے اور محفل انس میں داخل ہونے تک، جس کی طرف اس مسلک میں "اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ" [2] (میں ہر طرف سے ہٹ کر اپنا رخ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے) سے اشارہ کیا گیا ہے، دریافت کر لیتے ہیں اور دوسرے لوگ اس سے سیر آفاقی اور اپنی امت کو جناب خلیل اللہؑ کی تربیت کا طریقہ

---

[1] سورۂ انعام:۷٦

[2] سورۂ انعام:۷۹

معلوم کرتے ہیں۔

اس طرح سارے قصص و حکایات ہیں، جیسے قصۂ آدمؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، یوسفؑ، عیسیٰؑ اور موسیٰؑ و خضرؑ کی ملاقات، جن سے اہل معارف و ریاضات و مجاہدات کے استفادات اور دوسرے لوگوں کے استفادات ایک دوسرے سے فرق رکھتے ہیں اور قصص و حکایات ہی میں شامل ہیں یا مستقل مقصد ہیں۔ ذات مقدس کے حکم و مواعظ، جن کی طرف جہاں جیسا مناسب سمجھا ہے خود زبان قدرت سے یا زبان معارف الٰہیہ و توحید و تنزیہ سے بندوں کو دعوت دی ہے۔ جیسے سورۂ مبارکہ (توحید) اور سورۂ (حشر) کے اواخر اور سورۂ (حدید) کے اوائل اور کتاب الٰہی کے دوسرے مواقع پر۔ اصحاب قلوب اور ارباب سوابق حسنیٰ کے لئے اس حصہ میں بے شمار لطیف و لذیذ باتیں ہیں۔ مثلاً اصحاب معارف آیہ کریمہ "وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ" [1] (اور جو شخص اپنے گھر سے خدا اور رسول (ص) کی طرف ہجرت کے ارادہ سے نکلے پھر اسے موت آجائے، تو اس کا اجر و ثواب اللہ کے ذمہ ہو گیا) سے قرب نافلہ و فریضہ کا استفادہ کرتے ہیں۔ حالانکہ دوسرے حضرات جسم کے ساتھ نکلنا اور ہجرت کرنا مثلاً مکہ سے مدینہ جانا سمجھتے ہیں۔ یا تہذیب نفوس اور ریاضات باطنیہ اور یا دعوت دی ہے جیسے آیۂ کریمہ "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا" [2] (بے شک وہ شخص فلاح پا گیا جس نے اس (نفس) کا تزکیہ کیا۔ اور وہ شخص نامراد ہوا جس نے (گناہ سے آلودہ کر کے) اسے دبا دیا) وغیر ذلک اور یا دعوت عمل صالح دی گئی ہے جیسا کہ معلوم ہے اور یا ان میں سے ہر ایک کے مقابلے سے ڈرایا گیا ہے۔ اس میں حضرت لقمان اور دوسرے بزرگوں اور مومنین کی حکمتیں اور موعظے شامل ہیں جو صحیفہ الٰہیہ میں مختلف مواقع پر مذکور ہیں۔ جیسے اصحاب کہف کے قصے۔

اس نورانی صحیفہ کے دوسرے مطالب میں سے کافرین و منکرین، مخالفین حق و حقیقت، اور معاندین انبیاء و اولیاء علیہم السلام کے احوال کا بیان ہے۔ نیز ان کے انجام کار اور ان کی ہلاکت و تباہی کی کیفیت کا بیان ہے۔ جیسے فرعون، قارون، نمرود، شداد اور اصحاب فیل اور دوسرے کفار و فجار کے قصے، جن میں ہر ایک قضیہ مواعظ و حکم، بلکہ اہل معرفت کے لئے معارف کا حامل ہے۔ اسی لئے ابلیس ملعون کے قصے شامل ہیں اور اسی میں شامل ہیں یا انہیں ایک مستقل قسم کہہ لیجئے۔ غزوات رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قصے۔ ان میں بھی عظیم مطالب ذکر کئے گئے ہیں۔ جن میں سے ایک اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مجاہدات کی کیفیت ہے تاکہ مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کیا جائے اور انہیں اللہ کی راہ میں

---

[1] سورۂ نساء:۱۰۰

[2] سورۂ شمس:۹

مجاہدات، کلمہ حق کے نفاذ اور باطل کوختم کرنے کے لئے آمادہ کیا جائے۔

قرآن شریف کے مطالب میں سے ایک اور مطلب، شریعت کے ان ظاہری قوانین اورآداب وسنن الٰہیہ کا بیان ہے۔ اس کتاب نورانی میں جن کے کلیات ومہمات کا ذکر کیا گیا ہے اوراس قسم میں سب سے عمدہ اصول وضوابط مطالب کی طرف دعوت ہے، جیسے باب صلاۃ، زکات، خمس، حج، صوم جہاد، نکاح، میراث، قصاص، حدود، تجات اور ایسے ہی دوسرے ابواب۔ اور یہ قسم یعنی ظاہر شریعت کا علم، چونکہ عمومی فائدے رکھتی ہے اور تعمیر دنیا وآخرت کی حیثیت سے تمام طبقات کے لئے وضع کی گئی ہے اورانسانوں کے تمام طبقات مقدور بھراس سے استفادہ کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے کتاب خدا میں اس کی بہت زیادہ دعوت دی گئی ہے اوراحادیث واخبار میں بھی اس کی خصوصیات وتفصیلات کثرت سے بیان ہوئے ہیں اورعلمائے شریعت کے تصنیفات اس سلسلہ میں تمام قسموں سے بیشتر اور بالاتر ہیں۔

قرآن شریف کے مطالب میں سے ایک اورمطلب، معاد کے احوال اوراس کے اثبات کے لئے ادلہ و براہین، عذاب وعقاب اور جزاء وثواب کی کیفیت، جنت ونار اورسزاوانعام کی تفصیلات کا بیان ہے۔ اس قسم کے ارباب سعادت کے حالات اہل معرفت اورمقربین، اہل ریاضت اور سالکین اور اہل عبادت اورسالکین کے درجات کا بیان اوراسی طرح اہل شقاوت یعنی کفارو محجوبین، منافقین و جاحدین اوراہل معصیت و فاسقین کے حالات و درجات کا ذکر ہے، لیکن جو چیزیں زیادہ تر عمومی فائدہ رکھتی ہیں ان کا ذکرنسبتاً زیادہ اورصریح لہجہ میں کیا گیا ہے اور جو چیزیں کسی خاص طبقہ کے لئے مفید ہیں وہ رمز واشارہ میں بیان کی گئی ہے۔ جیسے "وَرِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكۡبَرُ" [1] (اور اللہ کی خوشنودی سب سے بڑی ہے) اوراسی طبقہ کے لئے لقاء الٰہی سے متعلق آیات۔ اورجیسے "كَلَّاۤ اِنَّهُمۡ عَنۡ رَّبِّهِمۡ يَوۡمَئِذٍ لَّمَحۡجُوۡبُوۡنَ" [2] (ہرگز (ایسا نہیں کہ جزا وسزا نہ ہو) یہ لوگ اس دن اپنے پروردگار (کی رحمت سے) (محجوب اور محروم) رہیں گے) دوسرے گروہ کے لئے۔

اوراس قسم میں یعنی معاد اور اللہ کی طرف بازگشت کی تفصیل میں بے شمار معارف اور بہت باریک اوردشوار اسرار مذکورہیں۔ جن کی کیفیت پر مطلع ہونا سلوک برہانی یا نورعرفانی کے بغیرممکن نہیں ہے۔ صحیفہ الٰہی کے مطالب میں سے ایک ان احتجاجات اور براہین کا طریقہ ہے جوحق تعالیٰ نے مطالب حقہ اورمعارف الٰہیہ پر یا تو خود قائم کئے ہیں۔ جسے وجودحق، توحید، تنزیہ، علم وقدرت اور دوسرے اوصاف کمالیہ پر حجت و برہان کا قیام کہ اس قسم میں کبھی دقیق

---

[1] سورۂ توبہ آیت ۷۲

[2] سورۂ مطففین، آیت ۱۵

اور باریک ادلہ و براہین ظاہر ہوتے ہیں، جن سے اہل معرفت ہی پوری طرح استفادہ کرتے ہیں۔ جیسے "شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ" [۱] (خدا نے گواہی دی ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں)۔

اور کبھی ایسے ادلہ و براہین سامنے آتے ہیں جن سے حکماء اور اہل علم ایک طرح سے مستفید ہوتے ہیں جیسے آیہ کریمہ "لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا" [۲] (اگر خدا کے علاوہ بھی خدا ہوتے تو زمین و آسمان تباہ ہو جاتے)۔

اور جیسے آیہ "اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ" [۳] (اس وقت ہر خدا نے جو کچھ خود پیدا کیا ہوتا اس کی طرف رخ کرتا)۔

اور جیسے سورۂ حدید کی ابتدائی آیات اور سورۂ توحید یا جیسے معاد اور روحوں کی بازگشت اور دوسرے عالم کی ایجاد اور ملائکہ اللہ و انبیاءؑ کے اثبات پر حجت و برہان کا قیام جو اس کتاب شریف میں مختلف مقامات پر موجود ہیں۔ یہ خود ذات مقدس کے احتجاجات کے احوال ہوئے اور اثبات معارف پر انبیاءؑ و اہل دانش نے جو براہین قائم کئے اور حق تعالیٰ نے انہیں نقل کیا ہے، ان میں جناب خلیل اللہؑ اور دوسروں کے احتجاجات شامل ہیں۔

یہ ہیں کتاب الٰہی کے اہم مطالب، ورنہ دوسرے متفرق مطالب بھی موجود ہیں، جن کو بیان کرنے کے لئے کافی وقت چاہئے۔

---

[۱] سورہ آل عمران، آیت ۱۸

[۲] سورہ انبیاء، آیت ۲۲

[۳] سورہ مومنون: ۹۱

فصل سوم

کتاب شریف سے استفادہ کرنے کی راہ

اب جب کہ آپ نے صحیفہ الٰہیہ کے مقاصد و مطالب کو جان لیا، تو ایک خاص اور اہم مطلب کو نظر میں رکھئے، جس کی طرف توجہ رکھنے سے کتاب شریف سے استفادہ کرنے کی راہ آپ پر کھل جائے گی اور وہ یہ ہے کہ کتاب شریف الٰہی کو تعلیمی نقطہ نظر سے پڑھئے اور اسے ایسی کتاب سمجھئے جو فائدہ پہنچانے اور تعلیم دینے کے لئے ہے اور خود کو سیکھنے اور فائدہ حاصل کرنے کا ذمہ دار بنائیے۔ تعلیم دینے اور سیکھنے اور فائدہ پہنچانے اور فائدہ حاصل کرنے سے ہماری مراد یہ نہیں ہے کہ اس سے ادبیات اور نحو وصرف حاصل کیجئے یا فصاحت و بلاغت اور علم بیان و بدیع کے نکات یاد کیجئے یا اس کے قصص و حکایات کو تاریخی معلومات اور زمانہ گزشتہ کے لوگوں کی تہذیب و ثقافت سے واقفیت حاصل کیجئے۔ ان میں سے کوئی ایک مقصد بھی قرآن کے مقاصد میں شامل نہیں ہے اور کتاب الٰہی کے اصلی مقصود سے منزلوں دور ہے۔

یہ جو اس عظیم کتاب سے ہم بہت ہی کم فائدہ اٹھاتے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ یا تو ہم اس کو تعلیم و تعلم کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہی نہیں۔ اور زیادہ تر ہم ایسے ہی ہیں۔ صرف اجر وثواب کے لئے قرآن کی قرائت وتلاوت کرتے ہیں۔ لہٰذا تجوید کے علاوہ قرآن کے کسی رخ کی طرف اعتنا نہیں کرتے۔ ہم چاہتے ہیں کہ قرآن کو صحیح پڑھیں تا کہ ہمیں ثواب حاصل ہو۔ اسی حد پر ٹھہرے ہیں اور ایس پر قناعت کئے ہوئے ہیں۔ لہٰذا چالیس سال قرآن مجید کو پڑھتے ہیں اور تلاوت کے اجر وثواب کے علاوہ کسی قسم کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور اگر تعلیم و تعلم کی نظر سے پڑھتے ہیں تو بیان و بدیع کے نکات اور وجوہ اعجاز قرآن اور ذرا اوپر اٹھے تو وتاریخی حیثیت، آیات کی شان نزول، اوقات نزول، آیات اور سوروں کا مکی و مدنی ہونا، قرائت کے اختلافات، مفسرین عامہ وخاصہ کے اختلافات اور اسی قسم کے دوسرے عرضی امور سے جو

مقصد سے دور اور وہ خود ہی قرآن سے محجوب ہونے اور ذکر الٰہی سے غفلت کا سبب ہیں، سروکار رکھتے ہیں، بلکہ ہمارے بڑے بڑے مفسرین بھی اپنی بہترین کوششیں انہیں جہتوں میں سے کسی ایک یا بیشتر جہات پر صرف کردیتے ہیں اورلوگوں کے سامنے تعلیمات کا دروازہ نہیں کھولتے۔

راقم الحروف کا عقیدہ ہے کہ اب تک قرآن کی تفسیر لکھی ہی نہیں گئی۔کلی طور پر (تفسیر) کتاب کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس کتاب کے مقاصد کی شرح کی جائے اوراس کا اہم نقطہ نظر صاحب کتاب کے مقصود کو بیان کرنا ہو۔ یہ کتاب جو خدائے تعالیٰ کی گواہی کے مطابق کتاب ہدایت وتعلیم ہے اورسلوک انسانیت کی راہ کی روشنی ہے۔مفسر کو چاہئے کہ اس کے قصص میں سے ہر قصہ میں، بلکہ اس کی آیتوں میں سے ہر آیت میں عالم غیب کی طرف جانے کی سمت، سعادت کا راہنما ہونے کی حیثیت اور معرفت وانسانیت کا راستہ چلنا سیکھنے والے کو سمجھائے۔مفسر تب ہی مفسر ہے جب ہمیں (مقصد) نزول سمجھا رہا ہو۔ نہ یہ کہ (سبب) نزول سمجھائے اس طرح جیسا کہ تفسیروں میں ہے۔اسی آدمؑ وحواؑ کے قصہ میں اورابلیس کے ساتھ ان کے قضیوں میں ان کی تخلیق کے آغاز سے زمین پر آنے تک، جسے اللہ نے بار بار اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے، کس قدر معارف ومواعظ پوشیدہ ہیں اور ہمیں کس قدر نفس کے معائب، ابلیس کے مکائد اوران کی انتہا اورآدمی کے معارف سے آگاہی ملتی ہے، لیکن ہم اس سے غافل ہیں۔

وبالجملہ، کتاب خدا، کتاب معرفت واخلاق ہے، کتاب دعوت سعادت وکمال ہے، اس لئے کتاب تفسیر بھی کتاب عرفانی واخلاق اورمبین جہات عرفانی واخلاقی وغیرہ کی حیثیت سے ہونی چاہئے۔ جو مفسر اس جہت سے غفلت کرے یا صرف نظر کرے یا اسے اہمیت نہ دے وہ مقصود قرآن اورانزال کتب وارسال رسل سے غفلت برتتا ہے اور یہ ایک ایسی غلطی ہے جو صدیوں سے ملت کو قرآن کے فوائد وفیوض سے محروم کئے ہوئے ہے اور بندگان خدا پر راہ ہدایت مسدود کئے ہوئے ہے۔ہمیں چاہئے کہ جہات برہانی عقلی سے، جو خود بھی ہمیں مقصد سمجھا دیتی ہیں، قطع نظر کرکے (براہ راست) کتاب خدا ہی سے کتاب خدا کی تنزیل کا مقصد معلوم کریں۔مصنف کتاب ہی اپنے مقصود کو بہت سمجھتا ہے۔ (لہٰذا) اب ہم شئون قرآن کے بارے میں اس کے مصنف کے ارشادات کی روشنی میں غور وفکر کرتے ہیں۔ہم دیکھتے ہیں کہ وہ خود فرماتا ہے:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ [1]

اس کتاب میں کوئی شک نہیں ہے اور وہ پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے۔

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۲

اس کتاب کو کتاب ہدایت کہا ہے۔ہم دیکھتے ہیں کہ ایک چھوٹے سے سورے میں کئی مرتبہ فرماتا ہے:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ [۱]

ہم نے قرآن کو یاددہانی کے لئے آسان بنادیا ہے، ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟

ہم دیکھتے ہیں کہ ارشاد ہوتا ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ. [۲]

ہم نے قرآن کو ایک بار تم پر نازل کیا تاکہ جو کچھ (تدریجاً) لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے وہ تم ان کے لئے بیان کرو، شاید وہ لوگ غور کریں۔

فرماتا ہے:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ. [۳]

وہ بابرکت کتاب جو ہم نے تمہاری طرف نازل کی تاکہ اس کی آیات میں تدبر کریں اور صاحبان عقل عبرت حاصل کریں۔

ان کے علاوہ بھی آیات شریفہ ہیں جن کا ذکر طول کا باعث ہوگا۔

وبالجملہ، اس بیان سے ہمارا مقصد تفاسیر کے حدود و اطراف پر تنقید کرنا نہیں ہے،کیونکہ ہر مفسر نے بڑی زحمتیں اٹھائی ہیں اورشدید محنتیں کی ہیں تب ایک کتاب مرتب ہوئی ہے "فله درهم وعلى الله اجرهم" بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ قرآن شریف سے فیض حاصل کرنے کی راہ لوگوں کے لئے کھلے، کیونکہ قرآن ہی سلوک الی اللہ، تہذیب نفوس اور آداب وسنن الٰہیہ کو بتانے والی واحد کتاب ہے اورخالق ومخلوق کے درمیان سب سے بڑا رابطہ اورعزت ربوبیت سے تمسک کے لئے عروۃ الوثقیٰ وارحبل المتین (مضبوط رسی) ہے۔علماء ومفسرین فارسی وعربی میں مفسیریں لکھیں۔ ان کا مقصد عرفانی و اخلاقی تعلیمات و دستورات،مخلوق کے خالق سے رابطہ کی کیفیت اوردار الغرور سے دارالسرور والخلود کی طرف ہجرت کا اس طرح بیان ہونا چاہئے،جس طرح خود کتاب شریف میں ودیعت کیا گیا ہے۔ اس عظیم کتاب کا مصنف سکا کی اورشیخ نہیں کہ اس کا مقصد فصاحت و بلاغت کی جہتیں بیان کرنا ہو۔سیبویہ اورخلیل نہیں

---

[۱] سورۂ قمر، آیت ۱۷

[۲] سورۂ نحل آیت ۴۴

[۳] سورۂ ص،آ:۲۹

کہ اس کا مطمع نظر نحو وصرف کی جہتیں تحریر کرنا ہو۔ مسعودی اور ابن خلکان نہیں کہ اطراف تاریخ سے بحث کرے۔ یہ کتاب آنحضرتؐ کا عصائے موسیؑ اور ید بیضا نہیں یا دم عیسیؑ نہیں جو مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے کہ خالی معجزہ دکھانے اور تصدیق نبی اکرمؐ کے لئے آئی ہو، بلکہ یہ صحیفہ الٰہیہ دلوں کو علوم و معارف الٰہیہ کی ابدی زندگی بخشنے کے لئے نازل ہوئی ہے۔ یہ کتاب خدائے ہے اور شئون الٰہیہ کی طرف دعوت دیتی ہے۔ مفسر کو چاہئے کہ لوگوں کو شئون الٰہیہ کی تعلیم دے اور لوگوں کو چاہئے کہ شئون الٰہیہ کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے مفسرین کی طرف رجوع کی تعلیم دے تاکہ اس سے فائدہ حاصل ہو۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاۗءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا.[1]

ہم قرآن میں سے جو کچھ مومنین کے لئے شفا اور رحمت ہے نازل کرتے ہیں اور یہ ظالموں کے لئے نقصان کے علاوہ کچھ اضافہ نہیں کرتا۔

اس سے بڑا خسارہ کیا ہوگا کہ تیس چالیس سال ہم کتاب الٰہی کی تلاوت کریں اور تفاسیر کی طرف رجوع کریں اور کتاب کے مقاصد سے پھر بھی محروم رہیں!

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ.[2]

پروردگارا! ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا اور اگر تو ہم کو نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں ہو جائیں گے۔

---

[1] سورۂ اسراء، آیت ۸۲

[2] سورۂ اعراف، ۲۳

فصل چہارم

موانع استفادہ کو دور کرنا

اب جب کہ کتاب خدا کی عظمت ہر جہت سے معلوم ہوگئی اور اس سے استفادہ کی رہ کھل گئی تو کتاب خدا کو سیکھنے والے اور اس سے استفادہ کرنے والے کے لئے لازم ہے کہ اہم آداب میں سے ایک اور اہم ادب پر کار بند ہو تا کہ استفادہ ہونے لگے، وہ ادب (موانع استفادہ کو دور کرنا) ہے۔ ہم جن کی تعبیر (مستفید اور قرآن کے درمیان حجابات) سے کرتے ہیں اور ایسے حجابات بہت ہیں۔ ہم ان میں بعض کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

ان حجابوں میں ایک بڑا حجاب (خود بینی) ہے کہ متعلم اس حجاب کی وجہ سے خود کو بے نیاز سمجھ بیٹھتا ہے اور استفادہ کا محتاج نہیں سمجھتا۔ یہ شیطان کے بڑے شاہکاروں میں سے ایک ہے کہ ہمیشہ موہوم کمالات کو انسان کے سامنے چمکا کر پیش کرتا ہے اور انسان اتنے ہی پر راضی و قانع ہو جاتا ہے جتنا اس کے پاس ہے اور اس کے آگے جو کچھ ہے اس کو انسان کی نظروں سے گرا دیتا ہے۔ مثلاً اہل تجوید کو اسی جزئی علم پر قانع کر دیتا ہے اور اس علم کو ان کی نظروں میں اتنا بڑا اھا وا دیتا ہے کہ دوسرے علوم کی ان کی نظر میں کوئی وقعت نہیں رہ جاتی۔ حاملین قرآن کو بھی ان کے سامنے انہیں کے مطابق قرار دیتا ہے اور ان کو اللہ کی نورانی کتاب کے سمجھنے اور اس سے استفادہ کرنے سے محروم کر دیتا ہے۔ اصحاب ادبیت کو اسی بے مغز صورت پر راضی رکھتا ہے اور تمام شئون قرآن کو جو کچھ اور جتنا جس کے پاس ہے اسی میں منحصر قرار دے دیتا ہے اور اہل تفسیر کو بھی پرانے دھڑے پر چلتے رہنے میں سرگرم رکھتا ہے کہ وہ وجوہ قرائات، آراء مختلفہ ارباب لغت، وقت نزول، شان نزول، آیات اور سوروں کے مکی مدنی ہونے، آیات وحروف کی تعداد اور اسی طرح کی باتوں میں لگے رہتے ہیں۔ اہل علوم کو بھی قانع کر دیتا ہے۔ فقط دلالتوں کے فنوں اور احتجاجات کے وجوہ اور اسی قسم کے

امور پر، یہاں تک کہ فلسفی وحکیم و عارف تک کو اصطلاحات و مفاہیم جیسے گہرے اور دبیز پردے میں بند کر دیتا ہے۔ اس لئے قرآن سے استفادہ کی طلب رکھنے والے کو چاہئے کہ ان تمام پردوں کو چاک کر دے اور ان پردوں کے اس پار سے قرآن میں غور وفکر کرے اور ان میں سے کسی ایک حجاب پر بھی نہ ٹھہرے، تاکہ قافلہ سالکان سے بچھڑ نہ جائے اور اللہ کی شیرین وخوشگوار دعوتوں سے محروم رہ جائے۔ خود قرآن شریف سے ایک معین حد پر قانع نہ ہونے اور اس پر نہ ٹھہرنے کا حکم معلوم کرے۔ قصص قرآن میں ان معنی کی طرف بہت اشارہ کیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہؑ نے نبوت کے بلند مقام پر فائز ہونے کے باوجود اس مقام پر قناعت نہیں کی اور اپنے علم کے بلند مقام پر ٹھہرے نہیں رہ گئے، خضرؑ جیسے کامل شخص سے ملاقات ہوتے ہی تواضع وانکساری کے ساتھ ان سے کہا:

هَلۡ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنۡ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمۡتَ رُشۡدًا.[1]

کیا میں آپ کی پیروی (ہمراہی) کروں تاکہ جو کچھ آپ نے بصیرت وہدایت آپ نے سیکھی ہے مجھے سکھائیں۔

اور ان کی خدمت میں رہنے لگے۔ یہاں تک کہ جو علوم سیکھنا چاہئے تھے، سیکھ لئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایمان کے بڑے مقام پر اور انبیاء علیہم السلام سے مخصوص علم پر قناعت نہیں کی اور عرض کیا:

رَبِّ اَرِنِیۡ كَيۡفَ تُحۡىِ الۡمَوۡتٰى ؕ[2]

پروردگارا! مجھے دکھا تو کیسے مردوں کو زندہ کرتا ہے۔

ایمان قلبی سے اور اوپر اٹھنا چاہا اور مقام اطمینان شہودی تک پہنچنا چاہا۔ اس سے بالاتر یہ کہ خدائے تبارک و تعالیٰ حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو علی الاطلاق عارف ترین مخلوق ہیں، آیہ کریمہ میں حکم دیتا ہے:

وَقُلْ رَّبِّ زِدۡنِىۡ عِلۡمًا.[3]

اور کہو، پروردگارا! میرے علم میں اضافہ کر۔

کتاب الٰہی کے یہ دستورات، یہ قصص انبیاءؑ کا ذکر سب اس لئے ہے کہ ہم ان کے ذریعے بیدار ہوں اور خواب غفلت سے چونک اٹھیں۔

---

[1] سورۂ کہف، آیت ٦٦

[2] سورۂ بقرہ: ٢٦٠

[3] سورہ طہٰ، آیت ١١٤

ایک اور حجاب آراء فاسدہ اور مسالک و مذاہب باطلہ کا حجاب ہے جو کبھی خود انسان ہی کی سوء استعداد سے اور زیادہ تر پیروی وتقلید سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ ایسے حجابوں میں سے ایک ہے جس نے خاص کر معارف قرآن سے ہمیں محجوب کیا ہے۔ مثلاً اگر کوئی فاسد اعتقاد صرف ماں باپ سے سن لینے کی وجہ سے یا بعض جاہل اہل منبر سے سن کر، ہمارے دل میں راسخ ہو گیا ہو تو یہ فاسد اعتقاد ہمارے اور آیات الٰہیہ کے درمیان حاجب بن جائے گا۔ چاہے ہزاروں آیات و روایات بھی وارد ہو جائیں جو اس کے خلاف ہوں۔ اب یا تو اس کے ظاہر سے اعراض کریں یا اس کو سنجیدہ نظر سے ہی نہ دیکھیں۔ عقائد و معارف سے متعلق (اس طرح کی) بہت مثالیں ہیں، لیکن ہم ان کو شمار کرنے سے، صرف نظر کرتے ہیں، کیونکہ معلوم ہے کہ ہمارے ایسے لوگوں کے کہنے سے یہ حجاب نہیں ہٹ سکتا۔ لیکن نمونہ کے طور پر ایک عقیدہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو دوسرے عقائد سے زیادہ سہل الماخذ ہے۔ یہ تمام آیتیں جو لقائے الٰہی اور معرفت الٰہی کے بارے میں وارد ہوئی ہیں اور یہ روایتیں جو اس موضوع پر ہیں اور یہ تمام اشارات و کنایات اور صراحتیں جو ائمہ علیہم السلام کی دعاؤں اور مناجاتوں میں موجود ہیں۔ صرف اس عقیدہ کی بنا پر جو اس میدان سے بالکل اجنبی اور عامی اشخاص کے ذریعہ پیدا ہوا اور پھیلا ہے کہ معرفت خدا کی راہ کلی طور پر بند ہے اور اسی عقیدہ کی وجہ سے ذات خدا میں تفکر کر کے اس کی معرفت حاصل کرنے اور مشاہدہ جمال سے ممنوع، بلکہ محال قرار دے دیا ہے۔ (آیات و روایات کی) یا توتو جیہ و تاویل کرتے ہیں اور یا اس میدان میں وارد ہی نہیں ہوتے (مباحثہ ہی نہیں کرنا چاہتے) اور خود کو معارف سے جو انبیاء و اولیاءؑ کی خنکی چشم ہیں، آشنائی کرنے پر تیار نہیں ہوتے۔ بڑے افسوس کی بات ہے اہل اللہ کے لئے کہ معرفت کا ایک باب، جسے بعثت انبیاءؑ کی غرض و غایت اور اولیاء کا منتہائے مطلوب کہا جا سکتا ہے۔ لوگوں پر اس طرح بند کر دیا ہے کہ اس کے بارے میں بات کرنا کفر محض اور زندقہ قرار دے دیا ہے ان لوگوں نے انبیاء و اولیاءؑ کے معارف کو بالخصوص ذات و اسماء و صفات حق کے بارے میں عام لوگوں اور عورتوں کے معارف کے برابر سمجھ لیا ہے، بلکہ کبھی تو اس سے بھی آگے چلے جاتے ہیں۔ کہتے ہیں: ''فلاں، اچھے عامیانہ عقائد رکھتا ہے، کاش ہم بھی وہی عامیانہ عقیدہ رکھتے ہوتے''، بات تو ٹھیک ہی ہے، کیونکہ اس بے چارہ نے جو ایسی باتیں منہ سے نکالتا ہے، عامیانہ عقیدہ تو ہاتھ دے ہی رکھا ہے اور دوسرے معارف کو بھی جو خواص و اہل اللہ کے معارف ہیں، باطل سمجھ لیا ہے۔ یہ آرزو ٹھیک کفار کی آرزو جیسی ہے جو آیۂ کریمہ میں نقل ہوئی ہے:

وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا۔[1]

---

[1] سورۂ نباء، آیت ۴۰

اور کافر کہے گا کہ کاش میں مٹی ہوتا۔

ہم اگر بقائے الٰہی کے بارے میں آیات و اخبار کو تفصیل سے بیان کرنا چاہیں، تا کہ اس فاسد عقیدہ کی رسوائی واضح ہو جائے جو جہل اور غرور شیطانی کی پیداوار ہے تو ایک جداگانہ کتاب کی تالیف کی ضرورت ہے، چہ جائیکہ ہم یہ چاہیں کہ وہ معارف بیان کریں جو اس غلیظ شیطانی حجاب سے پیدا ہوئے اور پس پردۂ نسیان رہ گئے ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ قرآن سے مہجور ہونے اور قرآن کو مہجور چھوڑ نے کا ایک مرتبہ، جو شاید سب سے زیادہ افسوس ناک ہے، یہی ہے۔ چنانچہ آیۂ کریمہ کہتی ہے:

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا. [۱]

اور رسولؐ کہیں گے اے میرے پروردگار! میری قوم (امت) نے اس قرآن کو بالکل چھوڑ دیا تھا۔

قرآن کو مہجور چھوڑنے کے بے شمار مراتب و مراحل ہیں جن میں سب سے بڑے مرتبہ پر شاید ہم ہی ہوں۔ ہم اگر اس صحیفہ الٰہیہ کی مثلاً پاکیزہ اور قیمتی جلد بنوالیں اور تلاوت یا استخارہ کے وقت چوم لیا کریں اور آنکھوں سے لگا لیا کریں تو کیا ہم نے قرآن کو مہجور نہیں چھوڑا؟

اگر ہم نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ قرآن کی تجوید، علوم لغت و بیان اور بدیع کی جہتوں میں صرف کر دیا تو کیا اس کتاب عظیم کی مہجوریت کے ذمے داری سے باہر آ گئے؟ اگر ہم نے قراءات مختلفہ اور ان جیسی اور چیزوں کو یاد کر لیا تو کیا ہجران قرآن کی ذلت سے چھوٹ گئے؟ اگر ہم نے وجوہ اعجاز قرآن اور اس کے محسنات (لفظی و معنوی) کے فنون سیکھ لئے تو کیا رسول خداؐ کی شکایت سے نجات پا گئے؟ افسوس! کہ ان میں سے کوئی ایک چیز بھی قرآن اور اس کو نازل کرنے والے کے منظور نظر نہیں۔ قرآن کتاب الٰہی ہے اور اس میں شؤن الٰہیت ہیں۔ قرآن خالق و مخلوق کے درمیان رشتہ اتصال ہے اور اس کی تعلیمات کے وسیلہ سے معنوی رابطہ اور غیبی ارتباط خدا اور بندگان خدا کے درمیان پیدا ہونا چاہئے۔ قرآن سے علوم الٰہی اور معارف لدنی حاصل کئے جانے چاہئیں۔

کافی شریف کی روایت کے مطابق جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّمَا الْعُلُومُ ثَلَاثَةٌ- آيَةٌ مُحْكَمَةٌ، وَفَرِيضَةٌ عَادِلَةٌ، وَسُنَّةٌ قَائِمَةٌ. [۲]

---

[۱] سورۂ فرقان، آیت ۳۰

[۲] اصول کافی، ج۱، ص ۳۷، کتاب فضل العلم، باب صفۃ العلم وفضلہ، حدیث ۱

علم کی بس تین قسمیں ہیں: آیت محکم، فریضہ عادلہ، اور سنت قائمہ۔

قرآن شریف ان علوم کا حامل ہے کہ اگر ہم قرآن سے یہ علوم حاصل کرلیں تو ہم نے اس کو مہجور نہیں چھوڑا۔ اگر ہم نے قرآن کی دعوت قبول کر لی اور قصص انبیاء علیہم السلام سے جو مواعظہ و معارف اور حکمتوں پر مشتمل ہیں تعلیم حاصل کی، اگر ہم نے خدائے تعالیٰ اور انبیاءؑ کے مواعظ سے قرآن میں مذکور ہیں نصیحت حاصل کی، تو ہم نے قرآن کو مہجور نہیں چھوڑا۔ ورنہ قرآن کی ظاہری صورت ہی میں غور وفکر کئے جانا بھی "اخلاد الی الارض" ہمیشہ زمین ہی کی طرف توجہ کئے رہنا ہے اور ایک شیطانی وسوسہ ہے جس سے اللہ کی پناہ مانگنا چاہیئے

قرآن جیسے نورانی صحیفہ سے استفادہ کے موانع میں ایک مانو یہ اعتقاد ہے کہ مفسرین جو کچھ لکھ اور سمجھ چکے ہیں اس سے ہٹ کے کسی کو قرآن سے استفادہ کا حق نہیں ہے اور آیات شریفہ میں تدبر اور تفکر کو تفسیر بالرائے سے جو ممنوع ہے، اشتباہ دیتے ہیں اور اس فاسد رائے اور باطل عقیدہ کے وسیلہ سے قرآن شریف کو استفادہ کے تمام فنون سے خالی قرار دے دیا ہے اور اس کو کلی طور پر مہجور کر دیا ہے۔ حالانکہ اخلاق، ایمانی اور عرفانی استفادات کا تفسیر سے کوئی ربط نہیں ہے کہ تفسیر بالرائے کا سوال پیدا ہو، مثلاً اگر کوئی شخص حضرت موسیٰؑ کے حضرت خضرؑ کے ساتھ مذاکرات کی کیفیت اور ان کی معاشرت کی کیفیت، حضرت موسیٰؑ کا مقام نبوت کی اس عظمت کے باوجود اس علم کو سیکھنے کے لئے سفر کرنا جو ان کے پاس نہ تھا اور اپنی حاجت حضرت خضرؑ کے سامنے پیش کرنے کی کیفیت اس طرح جیسا کہ آیۂ کریمہ "هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا" [1] (کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں بشرطیکہ رشد و ہدایت کا وہ خصوصی علم جو آپ کو سکھایا گیا ہے اس میں سے کچھ مجھے بھی سکھا دیں) میں مذکور ہے اور حضرت خضرؑ کے جواب کا انداز اور حضرت موسیٰؑ کی معذرتوں سے مقام علم کی عظمت اور طالب علم کے استاد کے ساتھ آداب سلوک کا کہ شاید بیس (۲۰) ادب اس میں ہیں۔ استفادہ کرے تو اس استفادہ کو تفسیر سے کیا علاقہ ہے کہ تفسیر بالرائے کا سوال پیدا ہو؟!

قرآن سے کثیر استفادات یوں ہی کئے جاتے ہیں اور معارف میں مثلاً اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے قول "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" (ہر قسم کی تعریف اس اللہ کے لیے جو سب جہانوں کا پروردگار ہے) سے کہ تمام محامد کا حصر اور تمام ثناؤں کا اختصاص حق تعالیٰ سے ہے۔ توحید افعالی کا استفادہ کرے اور کہے کہ آیۂ شریفہ سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ ہر کمال و جمال اور ہر عزت و جلال جو عالم میں ہے چشم احوال اور قلب محجوب جن کو موجودات کی طرف منسوب کرتا ہے وہ سب حق تعالیٰ کا ہے اور کسی موجود کے پاس اس کی اپنی کوئی چیز نہیں ہے۔ اس لئے حمد و ثنا حق تعالیٰ کے لئے خاص ہے

[1] سورۂ کہف:۶۶

اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے، تو یہ استفادہ تفسیر سے کیا ربط رکھتا ہے کہ اس کا نام تفسیر بالرائے رکھا جائے یا نہ رکھا جائے؟!

اس کے علاوہ اور بھی امور ہیں جن کا استفادہ لوازم کلام سے ہوتا ہے اور جو تفسیر سے کسی طرح کا کوئی ربط نہیں رکھتے اس کے علاوہ خود تفسیر بالرائے میں بھی کلام ہے کہ شاید تفسیر کا تعلق آیات معارف وعلوم عقلیہ سے برہانی میزان کے موافق ہے اور آیات اخلاقیہ سے ہو، جن میں عقل کو دخل ہے، کیونکہ اس طرح کی آیات کی تفسیر مستحکم عقلی برہان یا واضح عقلی اعتبارات کے مطابق ہے کہ اگر کوئی ظاہر ان ''برہان و اعتبار عقلی'' کے خلاف ہو تو لازم ہے کہ اس کو ظاہر سے ہٹا دیا جائے۔ مثلاً آیہ کریمہ:

وَّجَآءَ رَبُّكَ.[۱] (اور تمہارا پروردگار آیا)

اور

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى.[۲] (وہ خدائے رحمن ہے جس کا عرش پر اقتدار قائم ہے)

میں فہم عرفی برہان کے مخالف ہے۔ تو اس ظاہر کو رد کرنا اور برہان کے مطابق تفسیر کرنا تفسیر بالرائے نہیں ہے اور کسی بھی ممنوع نہیں ہوسکتا۔

لہٰذا احتمال، بلکہ ظن یہ ہے کہ تفسیر بالرائے کا تعلق آیات احکام سے ہو کہ آراء وعقول کا ہاتھ وہاں پہنچنے سے قاصر ہے اور صرف خزینہ داران وحی اور مہبط ملائکۃ اللہ کی بندگی پیروی سے انہیں حاصل کرنا چاہئے۔ چنانچہ اکثر روایات شریفہ اس بارے میں ان فقہائے عامہ کے مقابل وارد ہوئی ہیں جو دین خدا کو اپنی عقلوں اور قیاسات سے سمجھنا چاہتے ہیں اور یہ جو بعض روایات شریفہ میں ہے کہ:

لَيْسَ شَيْءٌ أَبْعَدَ مِنْ عُقُولِ الرِّجَالِ مِنْ تَفْسِيرِ الْقُرْآنِ.[۳]

عقل؛ تفسیر قرآن سے سب سے زیادہ دور ہے۔

اسی طرح دوسری روایت میں یوں ہے:

دِينَ اللّٰهِ لَا يُصَابُ بِالْعُقُولِ.[۴]

---

[۱] سورۂ فجر، آیت ۲۲

[۲] خدائے رحمٰن عرش پر مسلط ہوگیا، سورۂ طٰہ، آیت ۵

[۳] بحار الانوار، ج ۸۹، ص ۹۵، کتاب القرآن، باب ۸، حدیث ۲۸، از تفسیر عیاشی، ج ۱، ص ۱۲

[۴] بحار الانوار، ج ۲، ص ۳۰۳، کتاب العلم، حدیث ۴۱، از کمال الدین

دین خدا کو عقل سے نہیں پا سکتے۔

یہ اس بات کی گواہ ہے کہ (دین اللہ) سے مراد دین کے تعبدی احکام ہیں، ورنہ اثبات صانع، توحید و تقدیس، اثبات معاد و نبوت میں، بلکہ مطلقاً تمام معارف میں عقل کو آزاد رہنے کا حق ہے اور یہ امور عقل کے مختصات میں سے ہیں اور اگر بعض محدثین عالی مقام کے کلام میں وارد ہوا ہے کہ اثبات توحید میں دلیل نقلی پر اعتماد کرنا ہے تو یہ شاذ و نادر اور غرائب امور میں ہے، بلکہ ایسی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت ہے، جس سے خدائے تعالیٰ کی پناہ مانگنا چاہئے اور یہ کلام توہین و تحقیر کا محتاج نہیں ہے۔"وَ إِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكَى" [1]

قرآن مجید کو سمجھنے اور اس آسمانی کتاب کے معارف و مواعظ سے استفادہ میں مانع حجابوں میں سے ایک اور حجاب، ان گناہوں اور کدورتوں کا حجاب ہے جو پروردگار عالم کے ساحت قدس میں سرکشی و نافرمانی سے پیدا ہوتے ہیں اور جو ادراک حقائق اور دل کے بیچ حجاب بن جاتے ہیں اور معلوم رہے کہ جس طرح نیک و بدعمل کی علام ملکوت میں اس عمل سے مناسبت رکھنے والی ایک صورت ہوتی اسی طرح ملکوت نفس میں بھی ایک صورت ہوتی ہے جس کی وجہ سے یا تو باطن نفس میں نورانیت پیدا ہوتی ہے، جس سے قلب پاکیزہ اور نورانی ہو جاتا ہے۔ باطن نفس میں یہ صورت صقیل کئے ہوئے آئینہ کی طرح صاف ہوتی ہے اور اس لائق ہوتی ہے کہ اس میں غیبی تجلیات اور حقائق و معارف کا ظہور ہو اور یا ملکوت نفس تاریک اور پلید ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں قلب زنگ آلود آئینہ کی طرح میلا ہو جاتا ہے، جس میں معارف الٰہیہ اور حقائق غیبیہ اپنا عکس نہیں ڈالتے اور چونکہ ایسی صورت میں قلب شیطانی تسلط کے تحت واقع ہوتا ہے اور مملکت روح ابلیس کا تصرف ہوتا ہے اس لئے آنکھ، کان اور دوسری تمام قوتیں اسی ملعون کے زیر تصرف آ جاتی ہیں۔ لہٰذا کان معارف و مواعظ الٰہی کے سننے سے بہرے ہو جاتے ہیں اور آنکھیں واضح و روشن الٰہی آیات کو دیکھنے سے اندھی ہو جاتی ہیں۔ حق اور آثار و آیات حق کو نہیں دیکھ پاتیں۔ دل دینی فقہ نہیں حاصل کرتا اور آیات و بینات اور حق و اسماء وصفات کو یاد کرنے کے قابل نہیں رہ جاتا۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ [2]

ان کے دل ایسے ہیں جن سے سمجھتے نہیں، اور آنکھیں ایسی ہیں جن سے دیکھتے نہیں، اور کان

---

[1] بحار الانوار (ط ۔ بیروت) / ج 45 / 160 / باب 39 ص: 107

[2] سورۂ اعراف، آیت ۱۷۹

ایسے ہیں جن سے سنتے نہیں، یہ چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔

عالم پر ان کی نظر ایسی ہی ہو جاتی ہے جیسی چوپایوں اور حیوانوں کی جو نہ عبرت حاصل کر سکتی ہیں نہ تدبر کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ ان کے دل جانوروں کے دلوں کی طرح ہو جاتے ہیں جو تفکر تذکر سے بے بہر ہوتے ہیں، بلکہ آیات میں نظر و فکر اور معارف و مواعظ سننے سے ان کی غفلت اور استکبار میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ حیوانات سے بھی زیادہ پست اور گمراہ ہیں۔

قرآن مجید کو سمجھنے سے مانع وغلیظ حجابوں میں سے ایک حجاب جو ہمارے اور معارف و مواعظ قرآن کے درمیان ایک دبیز پردہ ہے۔ وہ ہے محبت دنیا کا حجاب جس کی وجہ سے قلب کا تمام تر میلان دنیا کی طرف ہو جاتا ہے۔ قلب کا رخ پوری طرح دنیاوی ہو جاتا ہے اور وہ اس محبت کی وجہ سے ذکر خدا سے غافل اور ذکر و مذکور سے روگرداں ہو جاتا ہے اور جیسے جیسے دنیا اور اس کے طور طریق سے تعلق بڑھتا جاتا ہے ویسے ویسے قلب پر حجاب اور بھی دبیز اور غلیظ ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دنیا سے علاقہ قلب پر اس قدر غلبہ کر لیتا ہے اور حب جاہ شرف کا تسلط اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ فطرت الٰہی کا نور کلی طور پر خاموش ہو جاتا ہے اور انسان کے لئے سعادت کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور شاید قلب پر پڑے ہوئے جن تالوں کا ذکر آیۂ کریمہ: "اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا" [1] (کیا وہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں؟) میں ہے وہ یہی دنیاوی تعلقات کے بندھن ہوں۔ لہٰذا جو شخص معارف قرآن سے استفادہ کرنا چاہتا ہے اور مواعظ الٰہیہ سے فائدہ اٹھانے کا خواہشمند ہے اسے چاہئے کہ اپنے قلب کو ان نجاستوں سے پاک کرے اور قلبی گناہوں کی آلودگیوں کو جو غیر خدا سے اشتغال و دل بستگی ہے، دل سے نکال کے باہر پھینک دے، کیونکہ جو پاک نہ ہو وہ ان اسرار کا محرم نہیں ہو سکتا۔

ارشاد رب العزت ہے:

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ ﴿۷۷﴾ فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ. [2]

بے شک یہ قرآن کریم ہے، ایک محفوظ و مستور کتاب میں جسے پاکیزہ لوگ ہی لمس کرتے ہیں۔

جس طرح اس کتاب کے ظاہر سے اور اس کو ظاہری عالم میں مس کرنے سے ہر اس شخص کو روکا گیا ہے جو

---

[1] سورۂ محمد، آیت ۲۴

[2] سورۂ واقعہ، آیت ۷۷ تا ۷۹

ظاہری طور سے پاک نہ ہو تشریعی طور پر بھی اور تکلیفی طور پر بھی۔ اسی طرح اس کے معارف و مواعظ اور اس کے سر و باطن سے ہر اس شخص کو روک دیا گیا ہے، جس کا قلب دنیاوی نجاستوں سے آلودہ ہو۔

ارشاد رب العزت ہے:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ.[1]

یہ (قرآن) وہ کتاب ہے جس (کے کلام اللہ ہونے) میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ (یہ) ہدایت ہے ان پرہیزگاروں کے لیے۔

غیر متقی اور غیر مومن تو عام ایمان و تقویٰ کے اعتبار سے اس کے صوری مواعظ اور سچے عقائد کی روشنی سے محروم ہے ہی وہ شخص بھی جو غیر متقی مگر مومن ہو وہ تقویٰ کے دوسرے مراتب کے اعتبار سے، تقوائے خاص، تقوائے خاص الخاص، اور تقوائے اخص الخواص، مواعظ و عقائد قرآنی کے دوسرے مراتب سے محروم ہے۔ اس کی تفصیل اور دوسری آیات کا ذکر جو ہمارے مقصود پر دلالت کرتی ہیں، طول بیان کا سبب ہے، لیکن ہم اس فصل کو ایک آیۂ شریفہ الٰہیہ کے ذکر پر تمام کرتے ہیں جو بیدار مغز حضرات کے لئے کافی ہے بشرطیکہ اس کے بارے میں تدبر سے کام لیں۔

ارشاد رب العزت ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ.[2]

خدا کی جانب سے تمھارے لئے ایک نور اور ایک کتاب مبین آئی ہے، خدا جس کے وسیلہ سے ہر شخص کو جو اس کی رضا چاہے ہدایت کے محفوظ راستوں کی ہدایت کرتا ہے اور اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لاتا ہے اور ان کو سیدھے راستے کی ہدایت کرتا ہے۔

آیۂ مبارکہ کی بہت خصوصیات ہیں اور اس کے نکات کے اطراف کو بیان کرنا ایک علیحدہ رسالہ کی تالیف چاہتا ہے جس کا اس وقت موقع نہیں ہے۔

---

[1] سورۂ بقرہ: ۲

[2] سورۂ مائدہ، آیت ۱۵

فصل پنجم

تفکر

قرآن کی قرائت کے آداب میں ایک ادب (حضور قلب) ہے جس کا ذکر عبادات کے عام آداب کے ذیل میں ہم کر چکے اور اس کی تکرار غیر ضروری ہے۔

قرائت کے اہم آداب میں ایک (تفکر) ہے۔تفکر کا مطلب یہ ہے کہ آیات شریفہ میں مقصد اور مقصود کی جستجو کرے اور چونکہ قرآن کا مقصد، جیسا کہ قرآن نے خود بتایا ہے۔ ہدایت ''سبل السلام'' (سلامتی کے راستوں) کی طرف راہنمائی، اور تاریکی کے تمام درجات سے نکال کر عالم نور کی طرف لانا اور صراط مستقیم کی ہدایت کرنا ہے۔ اس لئے انسان کو چاہئے کہ آیات شریفہ میں تفکر کر کے سلامتی کے مراتب کو ان کے ابتدائی اور نچلے مرتبہ سے لے کر، جس کا تعلق ملکی قوتوں سے ہے، اعلیٰ اور آخری مرتبہ تک، جو قلب سلیم کی حقیقت ہے (اس تفسیر کے مطابق جو اہل بیت علیہم السلام سے وارد ہوئی ہے کہ حق تعالیٰ سے اس طرح ملاقات کرے کہ دل میں حق کے علاوہ کچھ نہ ہو)[1] حاصل کرے۔ ملکی اور ملکوتی قوتوں کی سلامتی قاری قرآن کی گم شدہ چیز ہے جو اس کتاب آسمانی میں موجود ہے اور تفکر کے ذریعہ اسے ڈھونڈ نکالنا چاہئے ہے

[1] امام خمینیؒ نے جن احادیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے کتاب میں ان کا حوالہ موجود نہیں ہے۔ جب میں نے احادیث دیکھنا چاہیں تو اس موضوع پر مختلف کتب میں احادیث بھری ہوئی ہیں یہاں مثال کے طور پر ایک حدیث ذکر کی جاتی ہے:
لَقِيَ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ مُسْتَكْمِلًا لِإِيمَانِهِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ. (الکافی (ط- الاسلامیۃ) / ج 2 / 37 / باب ص: 33)
مجاہد حسین حرّ

جب انسانی قوتیں تصرف شیطانی سے محفوظ ہوگئیں، سلامتی کا راستہ مل گیا اور اس پر چلنا بھی شروع کر دیا توسلامتی کے جس مرتبہ کو حاصل کرتا جائے گا ایک ظلمت سے نجات پاتا جائے گا اورقہری طور سے اللہ کے نور درخشاں کی تجلی حاصل ہوگی۔ یہاں تک کہ اگرظلمتوں کی تمام انواع واقسام سے خالص ہوگیا،جن میں پہلی ظلمت عالم مادیات کی ظلمت ہے مادیت کے تمام احوال وشئون کے ساتھ اور آخری ظلمت کثرت کی طرف توجہ ہے کثرت کے تمام احوال و شئون کے ساتھ،تو نورمطلق اس کے قلب پر تجلی کرے گا اورانسانیت کے صراط مستقیم کی طرف جواس مقام پرصراط رب ہے،انسان کی رہبری کرے گا۔

اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ.[1]

یقیناً میرا رب راہ راست پر موجودہ ہے۔

قرآن کریم میں تفکر کی دعوت کے ساتھ اس کی بہت تعریف وتحسین کی گئی ہے۔

ارشادرب العزت ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۝۴۴ [2]

آپ لوگوں کے لئے (وہ معارف واحکام) کھول کر بیان کریں جوان کی طرف نازل کئے گئے ہیں تاکہ وہ غوروفکر کریں۔

اس آیۂ کریمہ میں تفکر کی بہت بڑی مدح ہے، کیونکہ اس عظیم آسمانی کتاب اورنورانی صحیفہ کے نازل کرنے کی غرض وغایت (احتمال تفکر) کوقرار دیا گیا ہے اوریہ اس بات کی طرف شدیدتوجہ کی دلیل ہے کہ صرف (بندوں کے) تفکر کا احتمال قرآن جیسی ایک عظیم کرامت کا سبب ہوا ہے۔

اوردوسری آیت میں ارشاد ہے:

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ.[3]

پس داستانیں بیان کرو ہوسکتا ہے سوچیں۔

اس طرح کی یا اس سے قریب بہت آیتیں ہیں اورروایتیں بھی تفکر کے بارے میں بہت ہیں۔ حضرت ختمی

---

[1] سورۂ ہود:۵۶

[2] سورۂ نحل:۴۴

[3] سورۂ اعراف:۱۷۶

مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے جب یہ آیت نازل ہوئی جس میں ارشاد ہے:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝۱۹۰ [۱]

بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کی ادل بدل میں صاحبانِ عقل کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔

تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وَیْلٌ لِمَنْ قَرَأَها وَلَمْ یَتَفَکَّرْ فِیْهَا. [۲]

وائے ہو اس شخص پر جس نے اسے پڑھا اور اس پر غور نہیں کیا۔

اس باب میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ انسان سمجھے کہ کون سا تفکر ممدوح اور پسندیدہ ہے؟ ورنہ قرآن وحدیث میں تفکر تو بے شک ممدوح ہے۔اس (تفکر ممدوح) کی بہترین تعبیر وہ ہے جو خواجہ عبداللہ انصاری نے کی ہے:

اعلم ان التفکر تلمس البصیرة لاستدراك البغیة. [۳]

یعنی تفکر وہ (بصیرت) تلاش کرنا ہے جو دل کی آنکھ ہے، مقصود اور نتیجہ تک پہنچنے کے لئے جو غایت کمال ہے اور معلوم ہے کہ (انسان کا) مقصد ومقصود وسعادت مطلقہ ہے جو کمال علمی وعملی سے حاصل ہوتا ہے۔

لہٰذا انسان کو چاہئے کہ کتاب الٰہی کی آیات شریفہ سے اور اس کے قصص و حکایت میں مقصود ونتیجہ انسانیت، یعنی سعادت حاصل کرے اور چونکہ سعادت سے مراد سلامت مطلقہ، عالم نور اور صراط مستقیم تک پہنچنا ہے۔لہٰذا قرآن شریف سے سبل سلامت، معدن نور مطلق اور صراط مستقیم طلب کرے، جیسا کہ سابقہ آیۂ مبارکہ میں ارشاد ہوا۔ جب شخص قاری نے مقصد کو سمجھ لیا تو اس کو حاصل کرنے کے اسے بینائی مل گئی، قرآن شریف سے استفادہ کی راہ کھل گئی، رحمت حق کے در کھل گئے اور اب اپنی مختصر عمر عزیز کو اور اپنے سرمایہ تحصیل سعادت کو ایسے امور میں صرف نہ کرے گا جو رسالت کا مقصد نہیں ہیں اور ایسے اہم امر میں فضول بحث وگفتگو سے کنارہ کش ہو جائے گا۔

جب ایک عرصہ تک دل کی آنکھوں کو اسی مقصود پر لگائے رہے گا اور دوسری تمام چیزوں سے صرف نظر کئے

---

[۱] سورۂ آل عمران: ۱۹۰

[۲] فضائل الثقلین، الشافعی الایجی 82 سورۃ آل عمران ..... ص: 77

[۳] منازل السائرین، قسم البدایات، باب التفکر

رہے گا تو دل کی آنکھیں روشن اور تیز ہو جائیں گی اور نفس کو قرآن میں تفکر کی عادت پڑ جائے گی اور استفادہ کی راہیں کھل جائیں گی اور ایسے دروازے اس پر وا ہو جائیں گے جو اب تک بند تھے اور ایسے مطالب و معارف قرآن سے حاصل کرے گا جو اب تک حاصل نہیں کئے تھے۔ اس وقت سمجھ میں آئے گا کہ قرآن قلبی امراض کیلئے شفا ہے اور آیۂ کریمہ: وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا۔[1] (اور ہم تنزیلِ قرآن کے سلسلہ میں وہ کچھ نازل کر رہے ہیں جو اہلِ ایمان کے لئے شفاء اور رحمت ہے اور ظالموں کے لئے خسارہ کے سوا اور کسی چیز میں اضافہ نہیں کرتا) کا مفاد اور قول امیر المومنین علیہ السلام: تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ رَبِيعُ الْقُلُوبِ وَ اسْتَشْفُوا بِنُورِهِ فَإِنَّهُ شِفَاءُ الصُّدُورِ۔[2] (قرآن سیکھو، کیونکہ وہ دلوں کی بہار ہے اور اس کے نور سے شفاء حاصل کرو، کیونکہ وہ سینوں کے لئے شفاء ہے) کے معنی کا ادراک کرے گا اور قرآن شریف سے جسمانی امراض ہی کے لئے شفا طلب نہ کرے گا، بلکہ سب سے اعلیٰ مقصد روحانی امراض سے شفا کو جو مقصد قرآن ہے، قرار دے گا۔

اگر چہ جسمانی امراض کو بھی اس سے شفا حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام بھی جسمانی شفاء کے لئے نہیں آئے تھے۔ اگر چہ شفا دیتے تھے وہ نفوس کے اطباء اور ارواح و قلوب کو شفاء بخشنے والے ہیں۔

یا شافی

---

[1] سورۂ اسرا: ۸۲

[2] نہج البلاغہ، فیض الاسلام، ص ۳۳۰، خطبہ ۱۰

فصل ششم

تطبیق

قرائت قرآن کے اہم آداب میں سے ایک (تطبیق) ہے جس سے انسان کو کثیر نتائج اور بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں۔تطبیق کا مطلب یہ ہے کہ آیات شریفہ میں سے جس آیت میں بھی تفکر کر رہا ہے اس کے مفاد کو اپنے حال پر منطبق کرے اور جو کجی نظر آئے اسے آیت شریفہ کے ذریعے دور کرے اور اپنی بیماریوں سے اس کے وسیلہ سے شفا حاصل کرے۔مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ میں دیکھئے کہ تمام طولانی سجدوں اور عبادتوں کے باوجود شیطان کے بار گاہ ایزدی سے دور کئے جانے کا سبب کیا تھا اور خود کو اس سے پاک کرے، کیوں مقام قرب الٰہی پاک لوگوں کا مقام ہے۔شیطانی اوصاف و اخلاق کے ہوتے ہوئے اس بارگاہ میں قدم نہیں رکھ سکتے۔آیات شریفہ سے استفادہ ہوتا ہے کہ ابلیس کے سجدہ نہ کرنے کا سبب خود بینی وخود پسندی تھی کہ اس نے "اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَّخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ" [1] (میں اس (آدمؑ) سے بہتر ہوں (کیونکہ) تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے گیلی مٹی سے پیدا کیا ہے۔) کا نقارہ بجایا اور یہی خود بینی، خواہی وخود فروشی کا جو استکبار ہے، سبب بن گئی اور استکبار خود رائی کا جو خود کو مستقل و آزاد سمجھنا اور حکم سے مہر تابی ہے، سبب بن گئی۔لہٰذا درگاہ الٰہی سے نکال دیا گیا۔ہم اول عمر سے شیطان کو ملعون و مردود کہتے آئے ہیں۔حالانکہ خود ہم میں اس کی خبیث صفتیں پائی جاتی ہیں اور کبھی یہ نہیں سوچا کہ درگاہ قدس سے مردود قرار پانے کا سبب جس میں بھی پایا جائے وہ مردود ہے۔اس میں شیطان کی کوئی تخصیص نہیں جس بات نے اس کو درگاہ تقرب

[1] سورۂ اعراف، آیت ۱۲

سے دور کیا، وہ بات ہم کو بھی اس درگاہ سے دور کئے بغیر نہیں چھوڑے گی۔ خطرہ ہے کہ جو لعنتیں ہم شیطان پر بھیجتے ہیں کہیں خود بھی ان میں شریک نہ ہوں۔

ہمیں یہ تفکر کرنا چاہئے کہ اسی قصہ میں حضرت آدم علیہ السلام کے ملائکۃ اللہ سے ممتاز اور برتر ہونے کا سبب تھا (کوشش کریں کہ) خود بھی بقدر طاقت اس سے متصف ہوں۔ ہم دیکھتے ہیں اس امتیاز اور برتری کا سبب (تعلیم اسماء) تھا۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

وعلم آدم الاسماء کلها [۱]

اور تمام اسماء آدمؑ کو سکھا دیئے۔

تعلیم اسماء کا بلند مرتبہ مقام اسماء اللہ کا تحقق ہے۔

چنانچہ احصائے اسماء کا بلند مرتبہ، جو روایت میں بتایا گیا ہے کہ:

إِنَّ لِلّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اسْمًا مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّة [۲]

یقیناً خدا کے ننانوے نام ہیں جو انہیں یاد کر لے وہ جنت میں داخل ہوگا۔

وہ حقیقت اسماء کا تحقق ہی ہے جو انسان کو جنت اسمائی تک پہنچاتا ہے۔

انسان قلبی ریاضتوں سے اسماء اللہ کا مظہر اور اللہ کی آیت کبریٰ بن سکتا ہے اس کا وجود، وجود ربانی ہوسکتا ہے اور اس کی مملکت میں دست جمال و جلال الٰہی متصرف ہوسکتا ہے۔ حدیث میں تقریباً یہی معنی موجود ہیں کہ (یقیناً روح مومن کا اتصال خدا سے اس سے زیادہ مستحکم ہے جتنا شعاع آفتاب کا اتصال آفتاب سے یا نور آفتاب سے ہوتا ہے، [۳]

حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے کہ

بندہ جب نافلہ کے ذریعے مجھ سے نزدیک ہوتا ہے تو میں اسے دوست رکھتا ہوں اور جب میں اسے دوست رکھتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے، میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، میں اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے اور اس کا ہاتھ

---

[۱] سورۂ بقرہ، آیت ۳۱

[۲] ، بحار الانوار، ج ۴، ص ۱۸۶، ۱۸۷

[۳] البرہان فی تفسیر القرآن/ ج 5/ 349/ [سورۃ الحشر (59): الآیات 22 الی 24] ..... ص: 347

ہو جاتا ہوں جس سے وہ اخذ کرتا ہے۔[۱]

حدیث میں ہے کہ

علیؑ عین اللہ ویداللہ۔[۲]

اس طرح کی اور بھی حدیثیں ہیں۔ حدیث میں ہے کہ

نَحنُ الأَسمَاءُ الحُسنَى.[۳]

ہم ہیں خدا کے اسمائے حسنیٰ۔

وبالجملہ جو شخص چاہتا ہے کہ قرآن مجید سے کثیر فائدہ اور کافی لطف اٹھائے۔ اس کو چاہئے کہ آیات شریفہ کی اپنے حالات پر تطبیق کرے تا کہ پورا استفادہ کر سکے۔

مثلاً سورۂ (انفال) کی آیہ شریفہ میں ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ

---

[۱] اصول کافی، ج ۴، ص ۵۳، کتاب الایمان والکفر، باب من اذیٰ المسلمین واحتقرھم، حدیث ۷)

[۲] امام خمینی کا یہ جملہ اشارہ ان احایث کی طرف:

(۱) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْحُسَيْنِ قَالَ أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ بِشْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا حَسَّانُ الْجَمَّالِ قَالَ حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ أَبِي عَمَّارٍ قَالَ سَمِعْتُ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ عليه السلام يَقُولُ أَنَا عَيْنُ اللَّهِ وَ أَنَا يَدُ اللَّهِ وَ أَنَا جَنْبُ اللَّهِ وَ أَنَا بَابُ اللَّهِ. (بصائر الدرجات فی فضائل آل محمد صلی اللہ علیہم / ج1/ 61/3 باب فی الأئمة أنهم حجة الله و باب الله وولاة أمر الله ووجه الله الذی یؤتی منه و جنب الله و عین الله و خزنة علمه جل جلاله و عم نواله..... ص: 61)

(۲) مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحُسَيْنِ عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي نَصْرٍ عَنْ حَسَّانَ الْجَمَّالِ قَالَ حَدَّثَنِي هَاشِمُ بْنُ أَبِي عُمَارَةَ الْجَنْبِيُّ قَالَ سَمِعْتُ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ ع يَقُولُ أَنَا عَيْنُ اللَّهِ وَ أَنَا يَدُ اللَّهِ وَ أَنَا جَنْبُ اللَّهِ- وَ أَنَا بَابُ اللَّهِ. (الکافی (ط- الإسلامية) / ج1/ 145/ باب النوادر ..... ص: 143)

مجاہد حسین حر

[۳] اصول کافی، ج ۱، ص ۱۹۶، کتاب التوحید، باب النوادر، حدیث ۴۔ مکمل حدیث کا متن یہ ہے:

الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْأَشْعَرِيُّ وَ مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى جَمِيعاً، عَنْ أَحْمَدَ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ سَعْدَانَ بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ عَمَّارٍ: عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ عليه السلام فِي قَوْلِ اللَّهِ عَزَّ وَ جَلَّ: وَ لِلَّهِ الْأَسْماءُ الْحُسْنى فَادْعُوهُ بِها قَالَ: نَحْنُ- وَ اللَّهِ- الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى الَّتِي لَا يَقْبَلُ اللَّهُ مِنَ الْعِبَادِ عَمَلًا إِلَّا بِمَعْرِفَتِنَا.

زَادَتۡهُمۡ اِيۡمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمۡ يَتَوَكَّلُوۡنَ.[1]

مومن وہ لوگ ہیں جن کے سامنے نام خدا لیا جاتا ہے تو ان کے دل خائف ہو جاتے ہیں
اور جب آیات خدا کی تلاوت ان کے سامنے کی جاتی ہے تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوجاتا ہے
اور وہ اپنے پروردگار پر توکل کرتے ہیں۔

سالک کو چاہئے کہ ان تینوں اوصاف کو دیکھے کہ اس پر منطبق ہیں یا نہیں؟
یا جب ذکر خدا ہوتا ہے تو اس کے دل میں اضطراب اور خوف پیدا ہوتا ہے یا نہیں؟
اور جس وقت آیات الٰہی اسکے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو نور ایمان اس کے دل میں بڑھ جاتا ہے یا نہیں؟
اس کا اعتماد اور بھروسہ اللہ پر ہے یا نہیں؟
کہیں وہ ان مراتب میں ہر ایک مرتبہ سے پیدل اور ان خواص میں سے ہر ایک سے محروم تو نہیں ہے؟

اگر یہ سمجھنا چاہے کہ اللہ سے خائف ہے یا نہیں اور اسکا دل خوف خدا سے مضطرب ہوتا ہے یا نہیں تو اپنے اعمال پر نظر ڈالے۔ خوف خدا رکھنے والا محضر کبریائی میں جسارت نہیں کرتا اور حق تعالیٰ کے حضور میں اس کے احکام کی توہین نہیں کرتا۔ اگر آیات الٰہیہ پر ایمان قوی چاہئے تو نور ایمان ظاہری مملکت میں سرایت کر جائے۔

یہ ممکن ہے کہ دل تو نورانی ہو اور زبان وکلام، چشم ونظر، کان اور سماعت نورانی نہ ہوں۔ نورانی بشر وہ ہے، جس کی تمام ملکی اور ملکوتی قوتیں نور بانٹتی ہوں، نہ صرف اپنی ذات کو سعادت اور صراط مستقیم کی ہدایت کرے، بلکہ دوسروں پر بھی نور برسائے اور ان کو راہ انسانیت بتائے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص خدا پر توکل واعتماد کرتا ہوگا تو دوسروں کے ہاتھ کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے نہیں دیکھے گا اور اپنی ضروریات اور حاجات کا بار غنی مطلق ہی کے در پر ڈالے گا اور دوسروں کو جو اسی کی طرح بے نوا اور محتاج ہیں، اپنا مشکل کشا نہ سمجھے گا۔

لہٰذا سالک الی اللہ کی ذمہ داری یہ ہے کہ خود کو قرآن شریف کے سامنے پیش کرے اور جس طرح حدیث کے صحیح ہونے یا غلط ہونے اور معتبر ہونے یا غیر معتبر ہونے کی میزان یہ ہے کہ اسے کتاب خدا پر پیش کریں۔ جو کتاب خدا کے مخالف نظر آئے اسے باطل اور بے بنیاد سمجھیں۔

اسی طرح راستی اور کجی اور سعادت وشقاوت کی میزان بھی یہی ہے کہ کتاب اللہ کی میزان پر پوری اترے تو راستی اور سعادت ہے۔ (ورنہ کجی اور شقاوت ہے) اور جس طرح خلق حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن ہے، اپنے خلق

---

[1] سورۂ انفال، آیت ۲

کوقرآن کے موافق بنانا چاہئے، تاکہ ولیٔ کامل کے خلق سے بھی مطابقت پیدا ہوجائے اور جو خلق کتاب اللہ کے مخالف ہو وہ باطل اور رنگ و روغن ہے۔ اسی طرح اپنے تمام معارف و احوال قلوب اور اعمال باطن کی کتاب خدا سے تطبیق کرے اور سامنے رکھے، تاکہ حقیقت قرآن کے ساتھ متحقق ہوجائے اور قرآن ہی اس عمل کی صورت باطنی ہوجائے۔

وَ أَنْتَ الْكِتَابُ الْمُبِينُ الَّذِى
بِأَحْرُفِهِ يَظْهَرُ الْمُضْمَر [1]

تو ایک روشن کتاب ہے جس کے حرفوں سے پنہاں آشکار ہوجاتا ہے۔
خدا کی بھیجی ہوئی وہ کھلی کتاب ہے تو کہ جس کے حرفوں سے کھلتے ہیں سینکڑوں اسرار

اس مقام پر کچھ اور آداب ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ ہم اس رسالہ کے شروع میں مطلق عبادات کے آداب کے ذیل میں کر چکے اور بعض انہی آداب میں مندرج ہوئے اور کچھ اور آداب ہیں جن کا ذکر طوالت کا سبب ہوگا، اس لئے ان سے صرف نظر کرتے ہیں،

واللہ العالم۔

---

[1] حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی جانب منسوب اشعار میں سے ہے، جن کا پہلا شعر یہ ہے:

اتحسب انك جرم صغير
وفيك انطوىٰ العالم الاكبر

خاتمہ

چند روایات شریفہ کا ترجمہ، فائدہ کی تکمیل اور کلام عترت طاہرہ علیہم السلام سے حصول برکت کے لئے کافی شریف میں سعد تک اسناد پہنچاتے ہوئے روایت ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

اے سعد! قرآن سیکھو! کیونکہ قیامت کے روز قرآن بہترین صورت میں آئے گا) اس کے بعد آپؑ نے جو کچھ فرمایا اس کے معنی قریب قریب یہ تھے اور مومنین، شہداء، انبیاء اور ملائکۃ اللہ کی صفوں سے ہوکر گزرے گا اور وہ سب کہیں گے کہ یہ تو ہم سب سے زیادہ نورانی ہے، یہاں تک حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا تعارف کرائیں گے۔۔۔۔۔۔۔الیٰ آخر الحدیث [1]

اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ

خدائے تعالیٰ جب اولین و آخرین کو جمع کرے گا تو اچانک وہ سب ایک شخص کو دیکھیں گے جو سامنے سے آرہا ہوگا جس سے بہتر صورت انہوں نے اب تک نہ دیکھی ہوگی [2]

اس مضمون کی حدیثیں بہت ہیں اور اہل معرفت کے قول کی واضح دلیل ہیں کہ موجودات عالم کے لئے عالم آخرت میں دوسری صورتیں ہوں گی۔

اس بات کی حدیثوں سے اعمال اخروی کی صورت بھی معلوم ہو جاتی ہے۔کافی شریف میں باسناد حضرت امام محمد باقر العلوم علیہ السلام سے روایت ہے، آپؑ نے فرمایا:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں کتاب خدا اور میرے اہل بیتؑ پہلے لوگ ہوں گے جو عزیز و جبار کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔ ہمارے بعد ہماری امت کے لوگ وارد ہوں گے۔ تب میں

---

[1] اصول کافی، ج ۴، ص ۳۹۴، کتاب فضل القرآن، باب ۱، حدیث ۱

[2] اصول کافی، ج ۴، ص ۳۹۴، کتاب فضل القرآن، باب ۱، حدیث ۱

ان سے پوچھوں گا کہ تم نے خدا کی کتاب اور میرے اہلبیتؑ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ [1]

دوسری حدیث میں ہے کہ خداوند جبار عزوجل، قرآن سے کہے گا:

میری عزت وجلال اور بلندی مقام کی قسم! میں اس کا اکرام کروں گا جس نے تیرا اکرام کیا اور اس کی اہانت کروں گا جس نے تیری اہانت کی۔ [2]

معلوم رہے کہ اگر ہم عمل کے ذریعے احکام و معارف قرآن کو زندہ نہ کریں گے اور اس کی حقیقت کو متحقق نہ کریں گے تو اس روز رسول خداؐ کو جواب نہ دے سکیں گے۔ کون سی اہانت اس سے بڑی ہوسکتی ہے کہ اس کے مقاصد اور اس کی دعوت کو پیروں تلے روند دیا جائے؟! قرآن اور اہل قرآن یعنی اہل بیت عصمتؑ کا احترام فقط اس کی جلد اور ان کی ضریحوں کو چومنے سے نہیں ہوتا یہ تو اکرام و احترام کا ایک کمزور درجہ ہے۔ اگر ہم نے اس کے قوانین اور ان کے فرامین کے مطابق عمل کی ہے تو مقبول ہے۔ ورنہ استہزاء اور بازیچہ ہے اور احادیث میں ایسے قاری قرآن سے بچنے کے لئے سخت تاکید آئی ہے جو اس پر عمل نہ کرتا ہو۔

(عقاب الاعمال) شیخ صدوق (رضوان اللہ علیہ) میں انہیں کی اسناد کے ساتھ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے ایک حدیث میں فرمایا:

جو شخص قرآن سیکھے اور اس پر عمل نہ کرے اور حب دنیا اور زینت دنیا کو قرآن پر عمل کے مقابلہ میں ترجیح دے اور پسند کرے وہ غضب خدا کا مستحق ہوتا ہے اور یہود و نصاریٰ کے درجہ میں ہو گا، جنھوں نے کتاب خدا کو پس پشت ڈال دیا اور جو شخص قرآن پڑھے اور اس سے "سمعہ" [3] اور دکھاوا اور دنیا تک پہنچنا مقصود ہو تو خدا سے اس طرح ملاقات کرے گا کہ اس کا چہرہ ہڈی کا ہو گا، جس پر گوشت نہ ہوگا اور قرآن اس کی گدی پر مارے گا تاکہ جہنم میں داخل ہو اور جہنم میں ان لوگوں کے پاس جا کے گرے گا جو پہلے سے گرے پڑے ہوں گے اور جو شخص قرائت قرآن کرے اور اس پر عمل نہ کرے، قیامت کے روز خدا اسے اندھا محشور کرے گا تو وہ کہے گا: پروردگارا! مجھے اندھا کیوں محشور کیا ہے؟ میں تو ٹھیک تھا، ارشاد ہوگا: کل جب ہماری آیتیں تجھ تک پہنچیں تو انہیں تو

---

[1] اصول کافی، ج ۴، ص ۴۰۰، کتاب فضل القرآن، باب ۱، حدیث ۴

[2] اصول کافی، ج ۴، ص ۴۰۰، کتاب فضل القرآن، باب ۱، حدیث ۱۴

[3] سمعہ، ریا کی ایک قسم ہے۔ اس کی تعبیر یہ ہے کہ اپنی عبادت کو لوگوں کے کانوں تک پہنچائے تاکہ ان کے دل اس کی طرف جھکیں۔

نے بھلا دیا تھا اسی طرح آج تجھے بھلا دیا گیا،[1] اس کے بعد حکم ہوگا کہ اسے جہنم میں ڈال دیں اور جو شخص قرآن پڑھتا ہے رضائے خدا کے لئے اور معالم دین یاد کرنے کے لئے تو اس کو اتنا ثواب عطا کیا جائے گا، جتنا ملائکہ اور انبیاء و مرسلینؑ کو عطا ہوا ہوگا۔

اور جو شخص قرآن سیکھے اور اس کا مقصد ریا و سمعہ ہو تا کہ اس کے ذریعہ سے نادانوں اور بے وقوفوں سے مجادلہ کرے اور علماء کے مقابلہ میں فخر و مباہات کرے اور اس سے دنیا حاصل کرے، خدا قیامت کے روز اس کی ہڈیوں کو الگ الگ کردے گا اور جہنم میں اس سے زیادہ سخت عذاب کسی پر نہ ہوگا اور عذاب کی کوئی قسم ایسی نہ ہوگی جس میں اسے عذاب نہ دیا جائے، کیونکہ خدا اس سے شدید غضبناک ہوگا۔

اور جو شخص قرآن سیکھے اور تواضع و خاکساری اختیار کرے اور بندگان خدا کو تعلیم دے اور اس سے ثواب کا طلبگار ہو جو اللہ کے پاس ہے، تو جنت میں کوئی ایسا نہ ہوگا جس کو اس سے بڑا ثواب ملا ہو اور جنت میں کوئی بلند منزل اور نفیس درجہ ایسا نہ ہوگا جس میں اس کا حصہ زیادہ تر اور بزرگ تر نہ ہو،[2]

معانی قرآن میں تفکر اور اس سے نصیحت حاصل کرنے اور اس سے اثر قبول کرنے کے بارے میں بھی کثیر روایتیں وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ کافی شریف میں باسناد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا:

> یقیناً یہ قرآن نور و ہدایت کا محل اور اندھیری راتوں کا مینارہ ہے۔ لہٰذا گردش دینے والا اپنی آنکھوں کو گردش دے اور روشنی حاصل کرنے کے لئے اپنی نظریں کھلی رکھے۔ اس لئے کہ تفکر قلب بینا کی زندگی ہے۔ چنانچہ طالب نور، نور کے ذریعہ ہی اندھیروں میں راستہ چلتا ہے،[3]

امام علیہ السلام کا مقصود یہ ہے کہ جس طرح انسان کو نور ظاہری سے اندھیروں میں راہ چلنا چاہئے تا کہ گڑھے میں گرنے کے خطرے سے محفوظ رہے اسی طرح سیر الی الاخرۃ و سیر الی اللہ کی تاریک راہوں کو قرآن کی روشنی میں طے کرنا چاہئے جو ہدایت کی روشنی اور راہ عرفان و ایمان کا روشن چراغ ہے تا کہ مہلک گڑھوں میں گرنے سے محفوظ رہے۔

معانی الاخبار کی ایک حدیث میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ فرماتے ہیں:

> حقیقی فقیہ وہ ہے جو بے پروائی کی وجہ سے قرآن کو ترک نہ کرے اور قرآن سے ہٹ کے

---

[1] سورۂ طٰہٰ، آیت ۱۲۶

[2] عقاب الاعمال، ص ۳۳۲، ۳۳۷، ۳۳۴

[3] اصول کافی، ج ۴، ص ۴۰۰، کتاب فضل القرآن، باب ۱، حدیث ۵

کسی چیز کی طرف توجہ نہ کرے۔ آگاہ رہو کہ اس علم میں کوئی خیر نہیں جس کو سمجھا نہ جا سکے اور اس قرائت میں کوئی خیر نہیں جس میں تدبر نہ ہو اور اس عبادت میں کوئی خیر نہیں جس میں غور وفکر نہ ہو۔
[1]

خصال اور معانی الاخبار میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث ہے، آپؐ نے فرمایا:

حملہ قرآن عرفا و اہل بہشت ہوں گے،[2]

اور ظاہر ہے کہ اس حمل سے مراد معارف وعلوم قرآن کا حمل ہے جس کا نتیجہ آخرت میں یہ ہوگا کہ انہیں اہل معرفت اور اہل قلوب میں شمار کیا گیا ہے۔ چنانچہ اگر اس کے مواعظ سے نصیحت حاصل کئے بغیر، اس کے معارف وحکم کا تحمل کئے بغیر اور اس کے احکام وسنن پر عمل کئے بغیر صرف صورت قرآن کو اٹھائے پھرے تو اس کی مثال ویسی ہی ہے جیسے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ [3]

ان لوگوں کی مثال جنہوں نے توریت کو اٹھا تو لیا مگر اس پر عمل نہیں کیا، اس گدھے کی مثال ہے جو کتابوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے۔

قرآن کریم کی شان اور اس کے آداب کے بارے میں احادیث اس رسالہ کی گنجائش سے بہت زیادہ ہیں۔

والسلام علیٰ محمد وآلہ۔

---

[1] معانی الاخبار، ص ۲۲۶، باب معنی الفقیہ حقا، حدیث ۱

[2] معانی الاخبار، ص ۳۲۳، باب معنی عرفاء اہل الجنۃ، حدیث ۱: الخصال، ج ۱، ص ۲۸، باب الواحد، حدیث ۱۰۰

[3] سورۂ جمعہ، آیت ۵

قَالَ علیہ السلام:

لَيْسَتِ الْعِبَادَةُ كَثْرَةُ الصِّيَامِ وَ الصَّلَاةِ،

وَإِنَّمَا الْعِبَادَةُ كَثْرَةُ التَّفَكُّرِ فِيْ أَمْرِ اللهِ.[1]

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا:

عبادت کی زیادتی یہ نہیں کہ نماز و روزہ زیادہ ہو

بلکہ عبادت کی زیادتی تو صرف یہ ہے کہ امور خدا میں زیادہ سے زیادہ غور وفکر کیا جائے۔

---

[1] تحف العقول، ص۵۱۸

مصباح دوم

نماز کے ساتھ مخصوص قرائت وآداب

اس میں چند فصلیں ہیں۔

فصل اول

قرائت نماز کے آداب

اس سفر روحانی اور معراج الٰہی میں قرائت کے مدارج و مراتب ہیں۔ ہم اس رسالہ کی مناسبت سے ان میں سے بعض کے تذکرہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

پہلا مرتبہ یہ ہے کہ قاری تجوید قرائت اور تحسین عبارت کے علاوہ اور کسی چیز کی طرف توجہ نہ کرے اور اس کا قصد محض ان کلمات کا تلفظ اور مخارج حروف کی تصحیح ہوتا کہ ایک تکلیف ادا ہو جائے اور ایک ذمہ داری پوری ہو جائے اور ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے تکلیف ذمہ داریاں، کلفت و زحمت کا سبب ہوتی ہیں اور ان کا دل ان سے اکتا ہٹ محسوس کرتا ہے اور ان کا باطن قلب ان تکالیف سے منحرف ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو عبادت میں کوئی لطف نہیں آتا سوائے اس کے کہ ایک ایسے عمل کو ترک کرتے جس کے ترک کا نتیجہ عقاب ہے۔ مگر یہ کہ خزائن غیب سے فضل وکرم ہو اور اسی زبانی ادائیگی پر احسان و اکرام کے حقدار قرار پا جائیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ کبھی کبھی جن کی زبان تو ذکر خدا میں مشغول ہوتی ہے مگر ان کا دل کلی طور سے عاری و خالی اور کثرات دنیویہ اور مشاغل ملکیہ میں لگا رہتا ہے۔ یہ گروہ صورت کے اعتبار سے تو نماز میں داخل ہوتا ہے مگر درحقیقت دنیا، کاروبار دنیا اور خواہشات دنیا میں مشغول ہوتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کا دل بھی صورت نماز کی تصحیح کی فکر میں مشغول ہوتا ہے۔ اس صورت میں یہ لوگ قلب و زبان دونوں کے مطابق صورت نماز میں وارد ہوتے ہیں اور یہ صورت ان لوگوں سے مقبول اور پسندیدہ ہے۔

دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو اس حد پر قانع نہیں اور نماز کو ذکر و یاد حق کا وسیلہ سمجھتے ہیں اور قرائت کو حمد وثنائے الٰہی میں شمار کرتے ہیں۔ اس گروہ کے بہت مدارج و مراتب ہیں جن کا ذکر طول کا سبب ہو اور شاید اسی گروہ کی

طرف یہ حدیث قدسی اشارہ کرتی ہے:

قَالَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عليه السلام: فَاتِحَةُ الْكِتَابِ أَعْطَاهَا مُحَمَّداً ص وَ أُمَّتَهُ بَدَأَ فِيهَا بِالْحَمْدِ وَ الثَّنَاءِ عَلَيْهِ ثُمَّ ثَنَّى بِالدُّعَاءِ لِلَّهِ عَزَّ وَ جَلَّ وَ لَقَدْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وآلہ يَقُولُ:

قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ قَسَمْتُ الْحَمْدَ بَيْنِي وَ بَيْنَ عَبْدِي فَنِصْفُهَا لِي وَ نِصْفُهَا لِعَبْدِي وَلِعَبْدِي

مَا سَأَلَ إِذَا قَالَ الْعَبْدُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمنِ الرَّحِيمِ

قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ بَدَأَ عَبْدِي بِاسْمِي حَقٌّ عَلَيَّ أَنْ أُتَمِّمَ لَهُ أُمُورَهُ وَ أُبَارِكَ لَهُ فِي أَحْوَالِهِ

فَإِذَا قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ حَمِدَنِي عَبْدِي وَ عَلِمَ أَنَّ النِّعَمَ الَّتِي لَهُ مِنْ عِنْدِي وَ الْبَلَايَا الَّتِي انْدَفَعَتْ عَنْهُ بِتَطَوُّلِي أُشْهِدُكُمْ أَنِّي أُضِيفُ لَهُ نِعَمَ الدُّنْيَا إِلَى نَعِيمِ الْآخِرَةِ وَ أَدْفَعُ عَنْهُ بَلَايَا الْآخِرَةِ كَمَا دَفَعْتُ عَنْهُ بَلَايَا الدُّنْيَا

فَإِذَا قَالَ الرَّحْمنِ الرَّحِيمِ

قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ شَهِدَ لِي بِأَنِّي الرَّحْمنُ الرَّحِيمُ أُشْهِدُكُمْ لَأُوَفِّرَنَّ مِنْ رَحْمَتِي حَظَّهُ وَ لَأُجْزِلَنَّ مِنْ عَطَائِي نَصِيبَهُ

فَإِذَا قَالَ مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ

قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ أُشْهِدُكُمْ كَمَا اعْتَرَفَ بِأَنِّي أَنَا الْمَالِكُ لِيَوْمِ الدِّينِ لَأُسَهِّلَنَّ يَوْمَ الْحِسَابِ حِسَابَهُ وَ لَأَتَقَبَّلَنَّ حَسَنَاتِهِ وَ لَأَتَجَاوَزَنَّ عَنْ سَيِّئَاتِهِ

فَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ إِيَّاكَ نَعْبُدُ

قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ صَدَقَ عَبْدِي إِيَّايَ يَعْبُدُ لَأُثِيبَنَّهُ عَلَى عِبَادَتِهِ ثَوَاباً يَغْبِطُهُ كُلُّ مَنْ خَالَفَهُ فِي عِبَادَتِهِ لِي

فَإِذَا قَالَ وَ إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ

قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ بِي اسْتَعَانَ وَ إِلَيَّ الْتَجَأَ أُشْهِدُكُمْ لَأُعِينَنَّهُ عَلَى أَمْرِهِ وَ

لَأُغِيثَنَّهُ فِي شَدَائِدِهِ وَلَأُخْذِنَّ بِيَدِهِ يَوْمَ (الْقِيَامَةِ عِنْدَ) نَوَائِبِهِ
وَإِذَا قَالَ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ إِلَى آخِرِهَا
قَالَ اللّٰهُ هٰذَا لِعَبْدِي وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ. [۱]

میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندہ کے درمیان تقسیم کر دیا ہے، آدھی میری ہے اور آدھی میرے بندے کی۔

جب بندہ کہتا ہے: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، تو خدا کہتا ہے: میرے بندہ نے مجھے یاد کیا،

اور جب بندہ کہتا ہے: الحمد للہ، تو خدا کہتا ہے: میرے بندے نے میری حمد و ثنا کی، یہی۔ سمع اللہ لمن حمدہ کے معنی ہیں

اور جب بندہ کہتا ہے: الرحمٰن الرحیم، تو خدا کہتا ہے: میرے بندے نے میری عظمت کا اقرار کیا۔

اور جب بندہ کہتا ہے: مالک یوم الدین، تو خدا کہتا ہے: میرے بندے نے میری بزرگی کا اعلان کیا

اور دوسری روایت میں ہے: اپنے امور کو میرے سپرد کیا،

اور جب بندہ کہتا ہے: ایاک نعبد وایاک نستعین، تو خدا فرماتا ہے: یہ میرے بندے کے درمیان ہے

اور جب بندہ کہتا ہے: اھدنا الصراط المستقیم، تو خدا فرماتا ہے: یہ میرے بندہ کا حصہ اور میرا بندہ جو کچھ مانگے وہ اس کا ہے۔

اور جب نماز اس حدیث شریف کے مطابق حق اور عبد کے درمیان تقسیم شدہ ہے تو بندہ کو چاہئے کہ جہاں تک مولا کا حق ہے وہاں تک اس کا حق ادا کرے اور ادب عبادت کا جو اس حدیث شریف میں بتایا گیا ہے۔ لحاظ رکھے تا کہ حق تعالیٰ ربوبیت کے الطاف اور رحمتوں کے ساتھ اس سے معاملہ کرے۔ جیسا کہ فرماتا ہے:

وَأَوْفُوا بِعَهْدِي أُوفِ بِعَهْدِكُمْ [۲]

---

[۱] المحجۃ البیضاء، ج ۱، ص ۳۸۸، بحار الانوار، ج ۹۲، ص ۲۲۶، صحیح مسلم، ج ۲، ص ۹۲، عبارت میں کچھ فرق کے ساتھ

[۲] سورۂ بقرہ ۴۰

میرا عہد پورا کرو تا کہ میں تمہارا عہد پورا کروں۔

خدائے تعالیٰ نے قرائت میں عبودیت کو چار ارکان پر قائم کیا ہے۔

رکن اول ''تذکر'' ہے جو بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ میں حاصل ہو جانا چاہئے اور بندۂ سالک کو تمام دار تحقق کو نظر اسمی سے، جو مسمیٰ میں فانی ہوجاتا ہے، دیکھنا چاہئے اور قلب کو عادت ڈالنا چاہئے کہ تمام ذرات ممکنات میں حق کی جستجو اورحق کی طلب کرتا رہے اور تعلیم اسمائی کی فطرت کو جو اس کے خمیر میں ثبت ہے، جامعیت نشئہ اور اللہ کے اسم اعظم کے حضور سے ظہور میں آنے کے تقاضے کی بنا پر جس کی طرف قول خدا "وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ كُلَّهَا" [1] (اور اس (اللہ) نے آدمؑ کو (تمام چیزوں کے) نام سکھائے) میں اشارہ ہے مرتبہ فعلیت وظہور میں لائے۔ یہ مقام حق کے خلوت اورشئون الٰہیہ میں تذکر وتفکر کی شدت سے حاصل ہوتا ہے، یہاں تک رسائی ہو جاتی ہے جہاں قلب عبد حقانی ہو جاتا ہے اوراس کے کسی گوشے میں حق کے سوا کوئی نام باقی نہیں رہتا۔

یہ الٰہیت میں فنا کا ایک مرتبہ ہے جس کا انکار منکرین کے معکوس اورسخت دل اس بیان کے بعد نہیں کر سکتے جو ہم نے پیش کیا ہے۔سوائے اس کے ان کا انکار ابلیسی انکار ہو۔ کیونکہ ایسے دل پناہ بخدا،حق کے ذکر اور نام ہی سے طبعی طور پر متنفر ہیں اور اگر معارف الٰہیہ سے متعلق ایک حرف یا اسماء اللہ کا ذرا ذکر آ جائے تو پیچ وتاب کھانے لگتے ہیں اورشکم وشرمگاہ کی خواہشات کے علاوہ کسی چیز کے دیکھنے کے لئے دل کی آنکھوں کو نہیں کھولتے۔ اس گروہ میں ایسے لوگ بھی ہیں جو انبیاء و اولیاعلیہم السلام تک کے لئے سوائے مقامات جسمانی و بہشت جسمانی جس میں صرف حیوانیت کی قضائے حاجت ہو کسی روحانی وباطنی مقام کے قائل نہیں اور آخرت کے مقامات کی عظمت کو دنیاوی عظمت کی طرح وسیع باغات، بہتی ہوئی نہروں اورحور وغلمان وقصور کی فراوانی سمجھتے ہیں اور اگر الٰہی عشق ومحبت اورجذبہ کے بارے میں کوئی بات سنتے ہیں تو رکیک الفاظ اورقبیح کلمات سے دوستداران خدا پر حملہ کرتے ہیں!! ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے انہیں کوئی ناسزا بات کہہ دی گئی ہے،جس کو برابر کر رہے ہیں۔ یہ لوگ طریق انسانیت کی رکاوٹ،معرفت الٰہی کی راہ کا کانٹا اور آدم کو فریب دینے والے شیطان ہیں اور بندگان خدا کے گروہوں کے گروہوں کو حق و اسماء وصفات حق اوراس کے ذکر اور اس کی یاد سے روکتے ہیں اوران کا رخ حیوانی مقاصد اور شکم وشرمگاہ کی خواہشات کی طرف موڑتے ہیں۔ یہ شیطان کے کارندے ہیں جو آیۂ کریمہ "لَاَقۡعُدَنَّ لَهُمۡ صِرَاطَكَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ" [2] (تیرے صراط مستقیم پر ان کی تاک میں بیٹھوں گا) کے مقتضا کے

---

[1] سورۂ بقرہ:۳۱

[2] سورہ اعراف، آیت ۱۶

مطابق سر راہ مستقیم بیٹھے ہوئے ہیں اور کسی کو نہیں چھوڑتے کہ اپنے خدا سے انس حاصل کرے اور شہوات حیوانی سے علاقہ مندی کی تاریکیوں سے جن میں حور وقصور سے علاقہ مندی بھی شامل ہے، رہائی حاصل کرے۔ یہ لوگ ممکن ہے کہ انبیاء واہل بیت علیہم السلام کی دعاؤں سے شواہد پیش کریں کہ وہ بھی خدا سے حور وقصور طلب کرتے تھے، یہ اس گروہ کی سمجھ کا قصور ہو گا کہ کرامت الٰہیہ سے محبت جو محبوب حقیقی کی طرف سے بخشش اور عزت افزائی ہے اور جو خود محبت وعنایت ہے اور محض حور وقصور اور ایسی ہی چیزوں کی استقلالی محبت وشہوات حیوانی کا خمیر ہے، فرق نہیں کرتے۔ اللہ کی کرامت اور عزت افزائی سے محبت، اللہ کی محبت ہے جو تبعاً کرامت وعنایت میں بھی سرایت کرتی ہے۔

عاشقم برہمہ عالم کہ ہمہ عالم از دست [۱]

و ما حبّ الدّیار شغفن قلبی
و لکن حبّ من سکن الدّیارا [۲]

زمین یار کی محبت نے میرے دل کو فریفتہ نہیں کیا ہے، بلکہ اس کی محبت نے فریفتہ کیا ہے جو وہاں رہتا ہے۔

اسیر کر نہ سکا میرے دل کو عشق دیار ہے
بس یہ بات کہ رہتاہے اس دیار میں یار

ورنہ حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کو حور وقصور سے کیا سروکار ہے؟ اس سید وسردار کو ہوائے نفسانی اور خواہشات حیوانی سے کیا نسبت؟ جس کی عبادت آزادوں کی عبادت ہو اس کی جزا تاجروں کی ایسی جزا نہیں ہوسکتی۔ عنان قلم ہاتھ سے چھوٹ گئی اور میں مطلب سے دور نکل گیا۔

وبالجملہ جو شخص کتاب تکوین وتدوین الٰہی کے اسماء وآیات کی قرائت کی عادت ڈال لے گا رفتہ رفتہ اس کا دل کسی ذکر اور کسی آیت کی صورت خود بن جائے گا اور باطن ذات ذکر اللہ، اسم اللہ اور آیۃ اللہ کے ساتھ محقق ہو جائے گا۔

---

[۱] بہ جہاں خرم از آنم کہ جہاں خرم ازدست
عاشقم برہمہ عالم کہ ہمہ ازاوست
(سعدی)
میں طرب میں ہوں کہ عالم میں طرب اس کا ہے
سارے عالم پہ میں عاشق ہوں کہ سب اس کا ہے

[۲] مجنون عامری، جامع الشواھد، ص ۲۲۰، باب الواو مع المیم

چنانچہ (ذکر) کی تفسیر وتطبیق حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام سے اسماء حسنیٰ، کی تفسیر وتطبیق ائمہ ھدیٰ علیہم السلام سے اور آیۃ اللہ، کی تفسیر وتطبیق بھی انہیں حضرات ؑ سے کی گئی ہے۔ یہ حضرات ؑ آیات الٰہیہ، اسماء اللہ الحسنیٰ اور ذکر اللہ الاکبر ہیں۔ مقام ذکر بہت اعلیٰ وارفع مقامات میں سے ہے،جس کی تفصیل بیان کے حوصلہ اور تقریر وتحریر کے احاطہ سے باہر ہے۔ اہل معرفت، اصحاب جذبہ الٰہیہ اور ارباب عشق ومحبت کے لئے وہ آیہ شریفہ ہی کافی ہے،جس میں ارشاد ہے:

فَاذْكُرُونِيۤ اَذْكُرْكُمْ.[1]

مجھے یاد کرو تا کہ میں تمہیں یاد کروں۔

اور خدائے تعالیٰ نے حضرت موسیٰ ؑ سے فرمایا:

انَا جَلِيسُ مَنْ ذَكَرَنی.[2]

میں اس کا ہمنشین ہوں جو مجھے یاد کرے۔

اور کافی کی روایت میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ أَكْثَرَ ذِكْرَ اللهِ أَحَبَّهُ اللهُ.[3]

جو شخص خدا کو یاد کرے گا خدا اسے دوست رکھے گا۔

اور وسائل میں بہ اسناد حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی گئی ہے آپ ؐ نے فرمایا:

قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى: ابْنَ آدَمَ اذْكُرْنِي فِي نَفْسِكَ أَذْكُرْكَ فِي نَفْسِي ابْنَ آدَمَ اذْكُرْنِي فِي خَلَاءٍ أَذْكُرْكَ فِي خَلَاءٍ ابْنَ آدَمَ اذْكُرْنِي فِي مَلَإٍ أَذْكُرْكَ فِي مَلَإٍ خَيْرٍ مِنْ مَلَائِكَ وَ قَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ يَذْكُرُ اللّٰهَ فِي مَلَإٍ مِنَ النَّاسِ إِلَّا ذَكَرَهُ اللّٰهُ فِي مَلَإٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ.[4]

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: خدائے عزوجل نے فرمایا: اے فرزند آدم! اپنے سامنے مجھے یاد کرتا کہ میں تجھے اپنے سامنے یاد کروں، اے فرزند آدم مجھے خلوت میں یاد کرتا کہ میں تجھے

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۱۵۲

[2] اصول کافی، ج ۴، ص ۲۵۵، کتاب الدعاء، باب مایجب من ذکر اللہ۔۔۔حدیث ۴

[3] اصول کافی، ج ۴، ص ۲۵۵، کتاب الدعاء، باب مایجب من ذکر اللہ، حدیث ۳

[4] وسائل الشیعہ، ج ۴، ص ۱۱۸۵، کتاب الصلاۃ، ابواب الذکر، باب ۷، حدیث ۴

خلوت میں یاد کروں، اے فرزند آدم! مجمع میں مجھے یاد کرتا کہ میں تجھے تیرے مجمع سے بہتر مجمع میں یاد کروں۔ اسی طرح آنحضرتؐ نے فرمایا: کوئی بندہ مجمع میں خدا کو یاد نہیں کرتا ہے مگر یہ کہ خدا ملائکہ کے مجمع میں اسے یاد کرتا ہے۔

قرائت نماز کے آداب کا دوسرا رکن ''تحمید'' ہے جو نماز گزار کے "الحمد للہ رب العالمین" کہنے سے حاصل ہوتا ہے۔

معلوم ہوا کہ جب نماز گزار مقام ''ذکر'' میں متحقق ہو چکا اور کائنات کے ذرے ذرے اور موجودات میں ہر بلند و پست کو اسمائے الٰہیہ سمجھ لیا۔ استقلال اپنی مستقل حیثیت اور بے نیازی کو دل سے باہر نکال دیا اور استقلال رحمت خدا کے سائے کی آرزو، کی نظر سے عالم غیب وشہود کے موجودات کو دیکھا تو اس کو ''تحمید'' کا مرتبہ حاصل ہو جائے گا اور اس کا دل اعتراف کرے گا کہ تمام حمد وثنا ذات واحد واحد کے ساتھ مختص امور میں ہے اور دوسرے موجودات اس میں شریک نہیں ہیں، کیونکہ وہ اپنا کوئی ذاتی کمال نہیں رکھتے کہ حمد وثناء کے مستحق ہوسکیں۔ سورۂ حمد کی تفسیر میں اس لطف الٰہی کا تفصیلی بیان آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

قرائت نماز کے آداب کا تیسرا رکن ''تعظیم'' ہے جو ''الرحمٰن الرحیم'' کہنے سے حاصل ہوتا ہے۔ جب سالک الی اللہ نے رکن ''تحمید'' میں حمد کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں منحصر کر دیا اور کثرات وجودی سے کمال وتحمید کو سلب کیا تو افق وحدت سے نزدیک ہو گیا اور کثرت بینی کی آنکھ آہستہ آہستہ نابینا ہونے لگی تو رحمانیت کی صورت جو وجود کا پھیلاؤ ہے اور رحیمیت کی صورت جو کمال وجود کا پھیلاؤ ہے۔ اس کے دل پر تجلی کرے گی اور حق تعالیٰ کی دو اور جامع ناموں کے ساتھ جن میں ہر طرح کی کثرت فنا ہو جاتی ہے۔ توصیف کرے گا اور تب جلوۂ کمال کے واسطہ سے قلب میں جمال سے حاصل ہونے والی ہیبت پیدا ہوگی اور عظمت حق دل میں جاگزین ہو جائے گی۔

یہ حال جب دل میں متمکن ہو جائے گا تو رکن چہارم کی طرف منتقل ہو جائے گا جو مقام ''تقدیس'' اور حقیقت ''تحمید'' ہے۔ دوسرے لفظوں میں تفویض امر الی اللہ اپنے کاموں کو اللہ کے حوالہ کر دینا ہے، جس سے مراد مالکیت و قاہریت حق کے مقام پر نظر رکھنا، کثرت کے گرد وغبار کو صاف کرنا، کعبہ دل میں رکھے ہوئے بتوں کو توڑ ڈالنا، بیت قلب کے مالک کا ظہور اور کسی قسم کی شیطانی مزاحمت کے بغیر قلب پر اس کا تصرف ہے۔ جب یہ حال پیدا ہو جائے تو سالک مقام خلوت تک پہنچ جاتا ہے اور بندہ حق کے درمیان کوئی حجاب باقی نہیں رہتا اور "ایاك نعبد و ایاك نستعین" اس خلوت خاص اور مقام انس میں واقع ہوتا ہے۔

اسی لئے فرمایا: "هٰذَا بَيْنِي وَ بَيْنَ عَبْدِيْ اور جب عنایت ازلی اس کے شامل حال ہو جاتی ہے اوراس کو بے خودی سے خودی میں لے آتی ہے تو اسی مقام پر استقامت اوراس محضر میں ہی رہنے کی قدرت وصلاحیت کا خوہاں ہوتا ہے اور کہتا ہے

"اهدنا الصراط المستقیم" اسی لئے "اهدنا" کی تفسیر "الزمنا و ادمنا و ثبتنا "ہمیں لازم رکھ، ہمیں ہمیشہ رکھ اور ہمیں ثابت رکھ، سے کی گئی ہے۔ یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو حجاب سے نکل چکے ہوں اور مطلوب ازل تک پہنچ چکے ہوں، لیکن ہم جیسے اہل حجاب کو چاہئے کہ حق تعالیٰ سے اپنے انہیں معنی میں ہدایت طلب کریں۔ شاید اس مطلب کا بقیہ سورۂ حمد کی تفسیر میں آئے گا۔

انشاء اللہ تعالی

تکمیل

حدیث قدسی [1] سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ تمام نماز بندہ اور خدا کے درمیان تقسیم کی گئی ہے اور فقط حمد کو نمونہ اورمثال کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ اس بناء پر ہم کہتے ہیں مثلاً تکبیرات نماز چاہے تکبیرات افتتاح ہوں یا دوسری تکبیریں جو نماز کے احوال کے بدلنے اور ایک جز سے دوسرے جز کی طرف منتقل ہونے کے درمیان کہی جاتی ہیں، سب ربوبیت کا حق اور ذات مقدس کے لئے خاص ہیں اور اگر سالک الی اللہ نے اس وظیفہ بندگی کو پورا کرلیا اور حق ربوبیت کو اپنی وسعت و طاقت کے مطابق ادا کردیا تو حق تعالیٰ بھی بندہ کا حق اپنے خاص ازلی الطاف وافضال سے ادا کرے گا، یعنی مکاشفہ ومرادت کا دروازہ کھول دے گا۔

چنانچہ مصباح الشریعہ میں منقول حدیث میں اسی کی طرف اشارہ ہے جہاں ارشاد ہے:

جب تم تکبیر کہو تو حق کی کبریائی کے سامنے تمام موجودات کو معمولی سمجھو۔[2]

یہاں تک کہ فرماتے ہیں:

> نماز پڑھتے وقت اپنے دل سے عبرت حاصل کرو۔ اگر دل میں نماز کی شرینی محسوس کرو اوراس نفس کو مسرت اورتازگی محسوس ہورہی ہو اورتمہارا دل مناجات حق سے مسرور اوراس سے مخاطبہ کرنے میں لذت پارہاہے تو جان لو کہ جب تم نے تکبیرات کہیں تو خدا نے تمہاری تصدیق کی ہے۔ ورنہ مناجات کی لذت کے معدوم اورعبادت کی شیرنی سے محروم ہونے کو دلیل سمجھو کہ خدا نے

---

[1] بحار الانوار، ج ۹۲، ص ۲۲۶

[2] مصباح الشریعۃ/ 87 / الباب التاسع والثلاثون فی افتتاح الصلاۃ

تمہاری تکذیب کی ہے اورتم اس کی درگاہ سے رد کردیئے گئے ہو،[1]

اسی معیار کے مطابق نماز کے تمام احوال و افعال میں خدائے تعالیٰ کا حق ہے، جس کی ادائیگی بندہ کو کرنا چاہیئے، کیونکہ وہ اس منزل پر آداب عبودیت یہی ہے اور بندہ کا بھی ایک حق اور ایک حصہ ہے جو عبودیت کے آداب کی ذمہ داری، بندہ کی طرف سے، پوری ہونے کے بعد حق تعالیٰ اپنے لطف خفی اور اپنی رحمت جلی سے ادا فرماتا ہے۔ اگر نمازگزاران الٰہی میقاتوں میں خود کو عنایات خاصہ سے محروم پائے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ عبودیت کے آداب کی ادائیگی نہیں ہوئی اور درمیانی درجہ کے لوگوں کے لئے اس کی علامت یہ ہے کہ قلب کو مناجات کی لذت اور عبادات کی شیرینی محسوس نہیں ہوتی اور تازگی و مسرت اور انقطاع الی الحق سے محروم رہتا ہے اور جو عبادت لذت و حلاوت سے خالی ہو وہ عبادت بے روح ہے اور قلب کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

لہٰذا اے عزیز! قلب کو آداب عبودیت سے مانوس کیجئے اور روح کے کام و دہن کو ذکر خدا کی حلاوت سے آشنا بنایئے۔ یہ لطف الٰہی ابتدائے امر میں شدید تذکر اور ذکر حق سے انس کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے، لیکن ذکر کے عالم میں قلب مردہ نہ ہو اور اس پر غفلت مسلط نہ ہو۔ جب آپ قلب کو ذکر سے مانوس کرلیں گے تو رفتہ رفتہ ازلی عنایات آپ کے شامل حال ہونے لگیں گی اور آپ کے دل پر عالم ملکوت کے دروازے کھلنا شروع ہوجائیں گے، جس کی علامت دار غرور دنیا سے دوری، دار خلود و آخرت کی طرف واپسی اور موت آنے سے پہلے موت کے لئے تیاری ہے۔

---

[1] مصباح الشریعۃ/ 87 / الباب التاسع والثلاثون فی افتتاح الصلاۃ

حدیث شریف کی عربی عبارت یہ ہے:

قَالَ الصَّادِقُ علیہ السلام إِذَا اسْتَقْبَلْتَ الْقِبْلَةَ فَآيِسْ مِنَ الدُّنْيَا وَ مَا فِيهَا وَ الْخَلْقِ وَ مَا هُمْ فِيهِ وَ فَرِّغْ قَلْبَكَ عَنْ كُلِّ شَاغِلٍ يَشْغَلُكَ عَنِ اللَّهِ تَعَالَى وَ عَايِنْ بِسِرِّكَ عَظَمَةَ اللَّهِ عَزَّ وَ جَلَّ وَ اذْكُرْ وُقُوفَكَ بَيْنَ يَدَيْهِ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى هُنالِكَ تَبْلُوا كُلُّ نَفْسٍ ما أَسْلَفَتْ وَ رُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلاهُمُ الْحَقِّ وَ قِفْ عَلَى قَدَمِ الْخَوْفِ وَ الرَّجَاءِ فَإِذَا كَبَّرْتَ فَاسْتَصْغِرْ مَا بَيْنَ السَّمَاوَاتِ الْعُلَى وَ الثَّرَى دُونَ كِبْرِيَائِهِ فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى إِذَا اطَّلَعَ عَلَى قَلْبِ الْعَبْدِ وَ هُوَ يُكَبِّرُ وَ فِي قَلْبِهِ عَارِضٌ عَنْ حَقِيقَةِ تَكْبِيرِهِ- فَقَالَ يَا كَذَّابُ أَ تَخْدَعُنِي وَ عِزَّتِي وَ جَلَالِي لَأَحْرِمَنَّكَ حَلَاوَةَ ذِكْرِي وَ لَأَحْجُبَنَّكَ عَنْ قُرْبِي وَ الْمَسَرَّةِ بِمُنَاجَاتِي وَ اعْلَمْ أَنَّهُ تَعَالَى غَيْرُ مُحْتَاجٍ إِلَى خِدْمَتِكَ وَ هُوَ غَنِيٌّ عَنْكَ وَ عَنْ عِبَادَتِكَ وَ دُعَائِكَ وَ إِنَّمَا دَعَاكَ بِفَضْلِهِ لِيَرْحَمَكَ وَ يُبْعِدَكَ عَنْ عُقُوبَتِهِ وَ يَنْشُرَ عَلَيْكَ مِنْ بَرَكَاتِ حَنَانِيَّتِهِ وَ يَهْدِيَكَ إِلَى سَبِيلِ رِضَاهُ وَ يَفْتَحَ عَلَيْكَ بَابَ مَغْفِرَتِهِ فَلَوْ خَلَقَ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ عَلَى ضِعْفِ مَا خَلَقَ مِنَ الْعَوَالِمِ أَضْعَافاً مُضَاعَفَةً عَلَى سَرْمَدِ الْأَبَدِ لَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ سَوَاءٌ كَفَرُوا بِهِ بِأَجْمَعِهِمْ أَوْ وَحَّدُوهُ فَلَيْسَ لَهُ مِنْ عِبَادَةِ الْخَلْقِ إِلَّا إِظْهَارُ الْكَرَمِ وَ الْقُدْرَةِ فَاجْعَلِ الْحَيَاءَ رِدَاءً وَ الْعَجْزَ إِزَاراً وَ ادْخُلْ تَحْتَ سَرِيرِ سُلْطَانِ اللَّهِ تَعَالَى تَغْتَنِمْ فَوَائِدَ رُبُوبِيَّتِهِ مُسْتَعِيناً بِهِ مُسْتَغِيثاً إِلَيْهِ.

بارالہا! ہمیں مناجات کی لذت اوراپنے مخاطبین کی حلاوت نصیب فرما اورہم کو ذاکرین کے زمرہ میں شامل کر اورساری دنیا سے کٹ کر تیرے عز قدس سے لولگانے والوں کی فہرست میں شمار کراورہمارے مردہ دلوں کو حیات جاوداں عنایت فرما۔دوسروں سے منقطع اوراپنی طرف متوجہ کر۔

انك ولی الفضل والانعام

فصل دوم

استعاذہ کے بعض آداب

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿٩٨﴾ إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ
سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٩٩﴾ إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ
وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ.[1]

جب تم قرآن پڑھنا چاہوتو شیطان سے خدا کی پناہ مانگو۔ یقیناً اس کو ان لوگوں پر جو ایمان لائے ہیں اور اللہ پر توکل کئے ہیں کوئی قابو نہیں۔ شیطان ان لوگوں پر حکمرانی کرتا ہے جنہوں نے اسے اپنا دوست بنایا ہے اور جنہوں نے خدا کے بارے میں شریک کیا ہے۔

قرائت، خصوصاً نماز میں قرائت کے اہم آداب میں جو اللہ کی طرف روحانی سفر حقیقی معراج اور اللہ تک پہنچنے کا زینہ ہے شیطان رجیم سے اللہ کی بارگاہ میں (استعاذہ) ہے شیطان رجیم جو طریق معرفت کا کانٹا ہے اور سیر وسلوک الی اللہ سے روکتا ہے۔ چنانچہ خداوند عالم سورہ (اعراف) میں اس کے قول کی خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے:

قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ.[2]

---

[1] سورہ نحل، آیت ۹۸، ۱۰۰

[2] سورہ اعراف: ۱۶

جب تو نے مجھے راہ سے ہٹا دیا تو میں بھی تیرے راستے کے سرے پر ان کی تاک میں بیٹھوں گا۔

قسم کھائی کہ راہ مستقیم جہاں سے شروع ہوتی ہے وہیں پر قبضہ کر لے گا اور اولاد آدمؑ کو وہیں سے واپس کر دے گا۔ لہٰذا نماز میں جو انسانیت کا صراط مستقیم اور وصول الی اللہ کی معراج ہے، اس راہزن سے خدا کی پنا میں رہے بغیر وجود میں نہیں آتی اور اس کے شر سے الوہیت کے مضبوط قلعہ میں پناہ لئے بغیر امان نہیں ملتی اور یہ ''استعاذہ'' اور پناہ گیر صرف زبان کی ادائیگی، بے روح صورت اور آخرت کے تصور سے خالی دنیا کے ذریعہ وجود میں نہیں آتی۔ چنانچہ مشاہدہ بتاتا ہے کہ ایسے بھی لوگ ہیں جو اس لفظ کو چالیس پچاس سال تک دہراتے رہنے کے باوجود اس راہزن کے شر سے نجات نہ حاصل کر سکے اور اخلاق و اعمال، بلکہ عقائد قلبی میں بھی شیطان کی پیروی اور تقلید کرتے ہیں۔ اگر اس پلید کے شر سے ہم نے ٹھیک طرح پناہ حاصل کی ہوتی تو حق تعالیٰ کی ذات پاک جو فیاض مطلق، صاحب رحمت واسعہ اور مالک قدرت کاملہ اور جس کا علم محیط اور کرم بسیط ہے، ہم کو پناہ دے دیتی اور ہمارے ایمان اخلاق اور اعمال کی اصلاح ہو جاتی۔ لہٰذا معلوم ہونا چاہئے کہ جس قدر ہم اس سیر ملکوتی اور سلوک الٰہی میں پیچھے رہ گئے ہیں اس کا سبب شیطانی اغوا اور سلطنت شیطانیہ کی ماتحتی ہے، چاہے غلطی سے یہ کوتاہی ہوئی یا ہم نے جان کے تقصیر کی ہو کہ آداب قلبیہ اور شرائط معنویہ کو عمل میں نہیں لائے ہوں۔ چنانچہ تمام ہی عبادات اور اذکار و اوراد میں اہم جو روحانی نتائج اور ظاہری و باطنی آثار سے محروم رہ جاتے ہیں، اس کی یہی باریک وجہ ہے، قرآن کی آیات شریفہ اور معصومین علیہم السلام کی احادیث مبارکہ سے کثیر آداب کا پتہ چلتا ہے جن کو شمار کرنا مکمل جستجو اور طول کلام کا سبب ہوگا۔ ہم ان میں سے بعض کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔

''استعاذہ'' کے اہم آداب میں سے ایک ادب (خلوص) ہے۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ نے شیطان کا قول نقل کیا ہے کہ اس نے کہا:

فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٨٢﴾ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ﴿٨٣﴾ [1]

ابلیس نے کہا تیری عزت کی قسم! میں سب لوگوں کو گمراہ کروں گا۔ سوائے تیرے منتخب اور برگزیدہ بندوں کے۔

یہ اخلاص آیہ شریفہ کے ظاہر کے مطابق عملی اخلاص سے بالاتر ہے۔ اگر اخلاص عملی مقصود ہوتا تو صیغہ اسم فاعل سے اس کی تعبیر نہ کی جاتی۔ لہٰذا اس اخلاص سے مراد، وجود انسانی کی شئون عینی و ظاہری سے خالص ہونا ہے اور اخلاق

[1] سورۂ ص: ۸۲، ۸۳

عملی ایسا اخلاص کا ایک قطرہ ہے اگر چہ سلوک کے آغاز میں یہ حقیقت اور یہ لطف الٰہی حاصل نہیں ہوتا، لیکن شدید عملی ریاضتوں، خصوصاً قلبی ریاضتوں سے جو حقیقی اور اصلی ریاضت ہے اور اس کی طرف اس مشہور حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں:

مَنْ اَخْلَصَ لِلّٰہِ اَرْبَعِیْنَ صَبَاحاً ظَھَرَتْ یَنَابِیعُ الْحِکْمَۃِ مِنْ قَلْبِہِ عَلٰی لِسَانِہِ۔ [1]

جو شخص چالیس صبح، طینت آدم کا خمیر تیار ہونے کی مقدار جو چالیس صبحیں تھیں، اوران دونوں کا ایک دوسرے سے رابطہ اہل معرفت اور اصحاب قلوب جانتے ہیں۔ خود کو اللہ کے لئے خالص رکھے۔ نیز اپنے قلبی اور قالبی اعمال کو اللہ کے لئے خاص رکھے، اس کا قلب الٰہی ہو جائے گا اور قلب الٰہی سے چشمہ ہائے حکمت کے علاوہ کچھ ظاہر نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس کی زبان بھی جو قلب کی سب سے بڑی ترجمان ہے۔ حکمت کے ساتھ گویا ہو گی۔

اس طرح پہلے اخلاص عمل خلوص قلب کا سبب ہوتا ہے پھر جب قلب خالص ہو گیا تو انوار جلال و جمال جو دست قدرت نے انسان کے خمیر اور طینت میں ودیعت کئے ہیں، درک کے آئینے میں ظاہر ہوں گے اور چمکیں گے اور باطن قلب سے ظاہر ملک بدن میں سرایت کریں گے۔

وبالجملہ جو خلوص سلطنت شیطانیہ کی ماتحتی سے نکلنے کا وسیلہ ہے۔ وہ روح کی پاکیزگی اور باطن قلب کا خدا تعالیٰ کے لئے خالص ہونا ہے مناجات شعبانیہ میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے خلوص کے اسی مرتبہ کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِلٰھِی ھَبْ لِی کَمَالَ الْاِنْقِطَاعِ اِلَیْکَ [2]

اور قلب جب اخلاص کے اس مرتبہ تک پہنچ جائے اور ذات خدا کے علاوہ ہر شے سے یکسر منقطع ہو جائے اور اس کے وجود کی مملکت میں حق کے علاوہ کوئی چیز راہ نہ پا سکے تو شیطان کو جو راہ حق کے علاوہ دوسری راہ سے انسان تک آنے کی کوشش کرتا ہے اسے اس راہ نہ ملے گی اور حق تعالیٰ اس کو اپنی پناہ میں لے لے گا اور وہ الوہیت کے مضبوط قلعہ میں داخل ہو جائیگا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

کَلِمَۃُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ حِصْنِی فَمَنْ دَخَلَ حِصْنِی اَمِنَ مِنْ عَذَابِی [3]

---

[1] جامع الاخبار (للشعیری) / 94 / الفصل الثانی والخمسون فی اللسان

[2] اقبال الاعمال (ط-القدیمۃ) / ج 2 / 687 / فصل فیما نذکرہ من [عن] الدعاء فی شعبان مروی عن ابن خالویہ..... ص: 685

[3] التوحید، ص ۲۵، بحار الانوار، ج ۳، ص ۱۳، و ج ۹۰، ص ۱۹۲

کلمہ لا الہ الا اللہ، میرا قلعہ ہے اور جو شخص میرے قلعہ میں آ جائے وہ میرے عذاب سے امان میں ہے۔

قلعہ لا الہ الا اللہ، میں داخل ہونے کے مراتب ہیں، جس طرح عذاب سے امان کے مراتب ہیں۔ لہٰذا جو شخص باطن و ظاہر اور قلب وقالب ہر اعتبار سے قلعہ حق میں داخل ہو جائے اور اس کی پناہ میں چلا جائے وہ عذاب کے ان تمام مراتبہ سے محفوظ و مامون ہو جائے گا جن میں سب سے بڑا عذاب جمال حق سے مجوبی اور وصال محبوب عزوجل کا فراق ہے۔ حضرت علی علیہ السلام دعائے کمیل میں فرماتے ہیں:

وَهَبْنِي يَا اِلٰهِي وَسَيِّدِي وَرَبِّي صَبَرْتُ عَلَىٰ عَذَابِكَ فَكَيْفَ اَصْبِرُ عَلَىٰ فِرَاقِكَ.

ہمارا ہاتھ اس مرتبہ تک پہنچنے سے قاصر ہے جس کو یہ مقام ہاتھ آ جائے وہی اللہ کا حقیقی بندہ ہے، وہ ربوبیت کی سرپرستی میں آ جائے گا، حق تعالیٰ اس کی مملکت میں متصرف ہوگا اور وہ طاغوت کی ماتحتی سے نکل آئے گا۔ یہ مقام اولیاء کے باعزت ترین مقامات اور اصفیاء کے مخصوص ترین مدارج میں سے ہے۔ دوسرے لوگوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں، بلکہ شاید منکرین کے سخت دل اور مجادلین کے شدت پسند نفوس جو اس مرحلہ سے منزلوں دور ہیں، ان مقامات کا انکار کریں اور ان کے اطراف وجوانب کے متعلق گفتگو کو بھی باطل خیال کریں۔ بلکہ (العیاذ باللہ) ان امور کو جو اولیاء اللہ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں اور کتاب وسنت ان سے مملو ہے، صوفیوں کی من گھڑت اور حشویہ کے فضولیات سے نسبت دیں اور ہم بھی ان مقامات کا ذکر جو اور اصل اولیائے کاملین کے مقامات ہیں، اس لئے نہیں کر رہے ہیں کہ ہم خود ان میں سے کوئی مقام رکھتے ہیں یا چشم طمع ادھر لگائے ہوئے ہیں۔ بلکہ اس لئے پیش کر رہے ہیں کہ ہم انکار مقامات کو بھی جائز نہیں سمجھتے اور ان کے مقامات کو قلوب کے تصفیہ اور اس کی تخلیص و تعمیر میں دخیل بھی سمجھتے ہیں، کیونکہ اصحاب ولایت ومحبت کا ذکر خیر محبت، مواصلت اور مناسب کا باعث ہوتا ہے اور یہ مناسبت جس کا ظاہر جہل کی تاریکیوں سے لوگوں کو نکالنا اور نور ہدایت وعلم تک پہنچانا اور اس کا باطن عالم آخرت میں ظہور شفاعت ہے، کیونکہ شفاعت کرنے والوں کی شفاعت، باطنی جذب وتناسب کے بغیر مقصود نہیں ہوتی اور بے وجہ اور باطل نہیں ہوگی۔

وبالجملہ، اگر اس کامل مرتبہ کی تخلیص اولیاء اصفیائے کاملین علیہم السلام کے علاوہ دوسروں کے لئے تصور میں نہیں آتی، بلکہ اس مرتبہ کا مقام کمال اصلی طور پر نبی ختمی مرتبت حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تبعاً ان کے کامل اور خالص اہل بیتؑ کے خالص نورانی قلب کے مختصات میں ہے، لیکن مومنین ومخلصین کو بھی اس کے تمام مراتب سے چشم پوشی نہ کرنا چاہئے اور صوری عملی اخلاص اور ظاہری فقہی خلوص پر قانع نہ رہنا چاہئے، کیونکہ منازل پر رک جانا ابلیس کے شاہکاروں میں سے

ایک ہے جو انسان اور انسانیت کے راستہ میں بیٹھا ہے اور اسے جس ہتھکنڈے سے ممکن ہونا ہے کمالات کی طرف بلند ہونے اور مدارج تک پہنچنے سے روکتا ہے۔ لہٰذا ہمت بلند کئے رہے اور ارادہ کو قوت دیتا رہے، بلکہ اس نور الٰہی اور فیض ربانی کو صورت سے باطن میں اور ملک سے ملکوت میں نافذ کرے۔ اخلاص کے جس مرتبہ تک انسان پہنچتا ہے اسی کی نسبت سے حق کی پناہ میں پہنچ جاتا ہے اور اسی قدر استعاذہ کی حقیقت وجود میں آجاتی ہے اور شیطان ملعون کا دست تصرف انسان سے دور ہوتا جاتا ہے۔

تو اگر تم نے انسانیت کی ملکی صورت کو خدا کے لئے خالص کر دیا اور نفس کے ظاہری دنیاوی لشکروں کو جن سے مراد ملک بدن میں پھیلی ہوئی قوتیں ہیں، حق کی پناہ میں دے دیا اور ہفت اقلیم زمین، یعنی آنکھ، زبان، شکم، شرمگاہ، ہاتھ اور پیر کی گناہوں کی نجاستوں سے پاک کرلیا اور الٰہی لشکروں یعنی ملائکہ اللہ کے اختیار و تصرف میں دے دیا تو رفتہ رفتہ یہ اقالیم سبعہ حقّی ہو جائیں گے اور حق کے تصرف کی طرف پلٹ جائیں گے۔ یہاں تک کہ یہ خود بھی ملائکہ اللہ ہو جائیں یا ملائکہ کی طرح "لَّا یَعۡصُوۡنَ اللّٰہَ مَاۤ اَمَرَہُمۡ وَ یَفۡعَلُوۡنَ مَا یُؤۡمَرُوۡنَ"[1] (جو کچھ خدا انہیں حکم دیتا ہے اس کے سلسلہ میں اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم دیتا ہے اسے بجالاتے ہیں) بن جائیں گے اور پھر استعاذہ کا پہلا مرتبہ وجود میں آجائے گا اور شیطان اور شیطانی لشکر مملکت ظاہر کو چھوڑ کر چلے جائیں گے اور باطن کا رخ کریں گے اور نفس کی ملکوتی قوتوں پر حملہ آور ہوں گے۔ اس طرح سالک کا کام اور زیادہ مشکل اور اس کا سلوک زیادہ باریک ہو جائے گا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ قدم سیر قوی اور اسکی نگرانی اور زیادہ سخت ہو اور نفسانی ہلاکت گاہوں یعنی خود پسندی، ریاکاری، کبر و نخوت و غیرہ سے خدائے تعالیٰ کی پناہ مانگے اور رفتہ رفتہ معنوی کدروتوں اور باطنی آلودگیوں سے نفس کا تصفیہ کرنے میں مشغول ہو جائے۔

اس مقام میں، بلکہ تمام مقامات میں توحید فعلی حق کی طرف اور قلب کو یہ نکتہ الٰہی اور مائدہ آسمانی یاد دلانے کی طرف پوری توجہ سلوک کے مہمات اور عروج کے ارکان میں ہے۔ قلب کو سماوات وارض، باطن و ظاہر اور ملک و ملکوت پر مالکیت حق تعالیٰ کے ذائقہ سے آشنا کرنا چاہئے کہ قلب توحید الٰہیت اور تصرف میں کسی بھی شریک کی نفی کی ریاضت کر کے فطرت الٰہی میں ڈھل جائے اور توحید کے زیر اثر تربیت حاصل کرلے۔ اس صورت میں قلب حق کے سوا نہ کہیں پناہ گاہ اور دادگاہ تلاش کرے گا نہ کسی کو فریادرس اور مددگار سمجھے گا

اور اطاعت کرتے اور حقیقت سمجھتے ہوئے حق اور مقام قدس الوہیت ہی سے استعاذہ کرے گا اور جب تک

---

[1] سورۂ تحریم، آیت ٦

دل کو دوسروں کے تصرف سے نکال نہ لے گا اور تمام موجودات سے چشم امید ہٹا نہ لے گا اس وقت تک حق کی حقیقی پناہ میں نہیں آ سکتا۔ اس کا دعوائے استعاذہ غلط ہوگا اور اہل معرفت کی نگاہ میں اس کا شمار زمرۂ منافقین میں ہوگا اور دھوکہ باز اور فریب کار سمجھا جائے گا۔

اس ہولناک وادی اور خطرناک گہرے سمندر میں کسی حکیم ربانی اور عارف نورانی سے جس کے علم کا رشتہ اولیائے کاملین سے متصل ہو، علمی طور پر توحیدات ثلاثہ (توحید ذات، توحید صفات، توحید افعال) کی تعلیم حاصل کرنا باطن قلب کے لئے اچھی اور مناسب اعانت ہے۔ لیکن استعاذہ کی شرط یہ ہے کہ آیت وعلامت اور سیر وسلوک الی اللہ کی نظر سے اس میں اشتغال پیدا کرے۔ ورنہ خود ہی راستہ کا کانٹا اور حجاب چہرۂ جاناں بن جائے گا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کافی کی حدیث کے مطابق اس علم کو آیۂ محکمہ، کا لقب دیا ہے،[1]

وبالجملہ، جب قلب میں توحید فعلی حق کی بنیاد مستحکم ہوگئی اور آب علم کے ساتھ ایسے عمل لطیف کے ذریعہ آبیاری ہوگئی جو باب قلب پر دستک دے تو اس سے جو نتیجہ حاصل ہوگا وہ تذکر مقام الوہیت، ہوگا اور قلب رفتہ رفتہ تجلی فعلی حق کے لئے شفاف ہو جائے گا اور جب خانہ خیانت کار سے اور آشیانہ بیگانہ سے خالی ہوگیا تو صاحب خانہ اس پر متصرف ہو جائے گا اور ولایت حق کا ہاتھ ملکوت باطن وقلب سے لے کر ملک اور ظاہر بدن تک ملکی وملکوتی قوتوں کو اپنے زیر تصرف و حکم لے آئے گا اور شیاطین اس مرحلہ سے بھی نکل بھاگیں گے اور مملکت باطن اپنے اس استقلال کی طرف پلٹ جائے گی جو صرف حق کے لئے استظلال ہے اور یہ استعاذہ کے ربانی لطیف نکتہ کا دوسرا مرتبہ ہے۔ اس مقام کے بعد استعاذۂ روح، استعاذۂ سر اور استعاذہ کے اور دوسرے مراتب ہیں جو اوراق سے مناسبت نہیں رکھتے۔ اس قدر بھی بندہ کا قلم بے قابو ہو جانے یا مالک جل وعلا کے قلم کے اجراء سے قلمبند ہوگیا۔ **(والیہ الفزع)**

استعاذہ کے آداب وشرائط میں سے ایک ادب اور ایک شرط وہ ہے جس کی طرف اس آیۂ شریفہ میں اشارہ کیا گیا ہے جو اس فصل کے شروع میں مذکور ہوئی اور وہ ہے (ایمان) یہ ایمان علم کے علاوہ ہے، چاہے فلسفیانہ برہان سے حاصل ہوا ہو، کیونکہ:

---

[1] الکافی (ط-الاسلامیۃ) / ج 1 / 32 / باب صفۃ العلم وفضلہ وفضل العلماء..... ص: 32

پای استدلا لیاں چوبین بود [1]

ایمان قلب کا حصہ اور حق ہے جو شدید تذکر و تفکر اور حق کے ساتھ انس اور خلوت سے حاصل ہوتا ہے۔ شیطان حالانکہ بنص قرآن مبدا و معاد کا علم رکھتا ہے مگر کفار کے زمرہ میں شمار ہوا۔ اگر ایمان اسی علم برہانی کا نام ہے تو لوگ یہ علم رکھتے ہیں ان کو شیطان کے تصرف سے محفوظ ہونا چاہئے اور ہدایت قرآن کا نور ان میں تاباں ہونا چاہئے۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایمان برہانی سے یہ آثار نہیں پیدا ہوتے۔ لہٰذا اگر ہم شیطانی تصرف سے نکلنا چاہتے ہیں اور حق تعالیٰ کی پناہ میں آنے کے خواہشمند ہیں تو سخت قلبی ریاضت اور مستقل توجہ یا کثرت ریاضت و توجہ اور شدت مراودت و خلوت کے ذریعہ حقائق ایمانی لقلب تک پہنچائیں تا کہ قلب الٰہی ہو جائے اور جب قلب الٰہی ہو جائے گا تو تصرف شیطان سے خالی ہو جائے گا۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ کا ارشاد:

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۬ [2]

وہ انہیں (گمراہی کے) اندھیروں سے (ہدایت کی) روشنی کی طرف نکالتا ہے۔

لہٰذا مومنین جن کے ظاہر و باطن اور سر و علن اللہ متصرف و متولی ہے۔ تصرف شیطان سے خالص اور سلطنت رحمٰن میں داخل ہیں اور خدا انہیں تاریکیوں کے تمام مراتب سے نور مطلق کی طرف نکال لاتا ہے اور وہ معصیت و سرکشی کی تاریکی سے اخلاق رذیلہ کی تاریکی سے جہل و کفر و شرک اور خود بینی و خود خواہی و خود پسندی کی تاریکی سے نکال کر اطاعت و عبادت کے نور اخلاق فاضلہ کے نور، علم و کمال ایمان و توحید اور خدا بینی و خدا خواہی و خدا دوستی کے نور کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ استعاذہ کے آداب میں ایک ادب (توکل) ہے۔ یہ بھی ایمان کا ایک شعبہ اور ایمانی نکتہ کا ایک حقیقی نور ہے۔ اس کا مطلب ہے، اپنے امور کو خدا پر چھوڑ دینا، یہ توحید فعلی پر قلب کے ایمان سے حاصل ہوتا ہے۔ اس تفصیل اس رسالہ کے حدود سے خارج ہے۔

جب بندۂ سالک نے غیر حق تعالیٰ کو پناہ گاہ اور دادرس نہیں سمجھا اور جملہ امور میں ہر طرح کا تصرف ذات

---

[1] پای استدلا لیاں چوبین بود
پای چوبین سخت بی تمکین بود، (مولوی)
پاؤں اہل عقل کے لکڑی کے ہیں
کب تلک چل پائیں گے لکڑی کے پاؤں پر

[2] سورۂ بقرہ: ۲۵۷

مقدس حق کو جان لیا تو غیر حق سے انقطاع اور اللہ کی طرف پناہ اور اسی پر بھروسہ کی حالت قلب میں پیدا ہو جائے گی اور اس کا استعاذہ حقیقت پیدا کر لے گا اور جب حقیقی طور پر ربوبیت کے حصن حصین میں پناہ مانگے گا تو قہری طور پر پناہ ملے گی اسی کی رحمت کریمانہ اور وسیع فضل سے۔

انہ ذو فضل عظیم

تتمیم ونتیجہ

فصل سابق کے مطالب سے معلوم ہوگیا کہ حقیقت استعاذہ اس نفسانی حالت و کیفیت سے عبارت ہے جو توحید فعلی حق کے مقام کے بارے میں کامل برہانی علم اور اس مقام پر ایمان سے حاصل ہوتی ہے۔ جب عقل روشن کے طریقہ کے مطابق حکمت کے محکم برہان اور قرآن کے نصوص اور کتاب الٰہی کے اشارات و بدائع اور احادیث شریفہ سے حاصل کئے ہوئے شواہد نقلیہ سے سمجھ میں آ گیا کہ سلطنت تخلیقیہ اور تاثیر وتصرف میں استقلال، بلکہ اصل تاثیر وتصرف ذات الٰہی میں محدود و منحصر ہے اور دیگر موجودات اس میں شریک نہیں ہیں۔ جبکہ اپنے محل پر یہ بات ثابت ہو چکی ہے تو اب دل کو اس سے آگاہ کرنا چاہئے اور عقل کے قلم سے صفحۂ قلب پر "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَلَا مُؤَثِّرَ فِی الْوُجُوْدِ اِلَّا اللّٰہُ" لکھ دینا چاہئے اور قلب جب اس ایمانی نکتہ اور برہانی حقیقت پر ایمان لے آئے تو اس میں انقطاع (ماسوائے اللہ سے اعراض اور اللہ کی طرف توجہ) اور التجاء (اللہ کی پناہ میں آنے کی جستجو) پیدا ہوگی اور جب شیطان کو راہ انسانیت کا لٹیرا اور اپنا طاقتور دشمن سمجھ لے تو ایک اضطراری حالت پیدا ہوگی۔

قلب کی یہی اضطراری حالت ''استعاذہ'' کی حقیقت ہے اور چونکہ زبان قلب کی ترجمان ہے اس قلبی حالت کا کمال اضطرار و احتیاج کے ساتھ اظہار کرے گا اور بطور حقیقت "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ" کہے گی اور اگر قلب میں ان حقائق کا کوئی نام ونشان نہ ہوا اور شیطان قلب اور ساری مملکت وجود پر متصرف ہوا تو استعاذہ بھی شیطانی تدبیر وتصرف کے مطابق ہوگا۔ لفظی طور پر تو "اِسْتِعَاذَۃُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ" کہہ رہا ہوگا، لیکن درحقیقت چونکہ تصرف شیطانی ہے لہٰذا استعاذہ شیطان من للہ واقع ہوگا "اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ" اور خود استعاذہ ہی مراد و مقصود کے برعکس حقیقت کو وجود میں لائے گا اور شیطان استعاذہ کرنے والے کا مذاق اڑائے گا۔ اس مذاق کا نتیجہ اس وقت معلوم ہوگا جب حجاب ہٹیں گے اور مادیت کے پردے چاک ہوں گے۔ ایسے شخص کی مثال جو صرف زبانی استعاذہ کرتا ہے اس شخص کی ہے جو کسی سخت دشمن سے بچنے کے لئے مضبوط قلعہ میں پناہ لینا چاہتا ہو، لیکن قلعہ کی طرف دوڑنے کے بجائے دشمن ہی کی طرف بھاگ رہا ہو اور زبان سے کہتا جا رہا ہو کہ اس دشمن کے شر سے اس قلعہ میں پناہ لینے جا رہا ہوں! ایسا شخص نہ صرف دشمن کے شر میں گرفتار ہوگا، بلکہ دشمن کے مذاق کا موضوع بھی بنے گا۔ (یا ھادی)

فصل سوم

ارکان استعاذہ چار ہیں

اول: مستعیذ، یعنی پناہ ڈھونڈنے والا۔

دوسرے: مستعاذ منہ، یعنی جس سے بچنے کے لئے پناہ ڈھونڈے۔

تیسرے: مستعاذ بہ، یعنی جس کی پناہ ڈھونڈے۔

چوتھے: مستعاذ لاجلہ، یعنی جس وجہ سے پناہ ڈھونڈے۔

ان ارکان کی بڑی تفصیل ہے جو ان اوراق میں بیان نہیں ہوسکتی۔ ہم اختصار پر اکتفاء کرتے ہیں۔

رکن اول (مستعیذ):

یعنی سلوک الی اللہ کی منزل اول سے فنائے ذاتی کی آخری انتہا تک انسانی حقیقت

و اذا تمّ الفناء المطلق، هلك الشّيطان و تمّ الاستعاذة.

جب فنائے مطلق حاصل ہوگئی تو شیطان ہلاک ہوگیا اور استعاذہ وجود میں آ گیا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسان جب تک بیت نفس اور دار مادیت میں رہ رہا ہے اور سفر روحانی اور سلوک الی اللہ میں مشغول نہیں ہوا اس وقت تک تمام شئون و مراتب کے ساتھ وہ شیطان کے زیر تسلط ہے۔ اس نے حقیقت استعاذہ کا لباس نہیں پہنا اور اس کی زبانی ادائیگی بے فائدہ، بلکہ اگر تفضّل وعنایت الٰہی نہ ہو تو اس سے سلطنت شیطانی

اورزیادہ محکم اور استوار ہوتی ہے اور جب سیر وسلوک الی اللہ کا لباس پہن لیا اور سفر روحانی شروع کر دیا تو جب تک سیر و سلوک میں ہے اور منزل فنائے مطلق تک نہیں پہنچا، اس وقت تک اس سفر کی رکاوٹ اور راستہ کا کانٹا شیطان ہی ہے۔ چاہے یہ شیطان خود اس کی کوئی روحانی شیطانی قوت ہو یا جن و انس میں سے کوئی ہو، کیونکہ جن و انس بھی اگر سفر کی رکاوٹ اور راستہ کا کانٹا بنتے ہیں تو شیطان ہی کی مدد اور اسی کے تصرف کی وجہ سے بنتے ہیں۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ نے سورۃ الناس میں اسی کی طرف یہ کہہ کر اشارہ کیا ہے:

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۟ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۟ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۟

(شیطانی) وسوسہ کی برائی سے جو (خدا کے نام سے) پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کرتا ہے۔ جنات میں سے ہو خواہ آدمیوں میں سے۔

اور شیطان اگر جن ہو تو آیہ شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وسواس خناس جو شیطان ہے وہ جن ہے اور انسان بھی ایک اصلی طور پر اور دوسرا اس کے اتباع کی وجہ سے۔ اور اگر شیطان اس کے علاوہ کوئی اور حقیقت ہے جو جن سے ملتی جلتی ہے تو آیہ شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوع جن و انس بھی شیطان کی تمثیلیں اور اس کے مظاہر اور آئینے ہیں۔ دوسری آیت میں اسی معنی کی طرف اشارہ فرمایا ہے جہاں ارشاد ہے:

شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ.[1]

اس سورہ مبارکہ میں استعاذہ کے ارکان کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا اور جیسا کہ ظاہر ہے۔

وبالجملہ انسان سلوک و سیر الی اللہ شروع کرنے سے پہلے (مستعیذ) نہیں ہے اور جب سیر مکمل ہوگئی اور عبودیت کا کوئی اثر باقی نہ رہا یعنی فنائے ذاتی مطلق تک پہنچ گیا تو استعاذہ مستعاذ منہ اور مستعیذ کا کوئی نشان باقی نہ رہا۔ اب قلب عارف میں سوائے حق اور سلطنت الٰہیہ کے کوئی چیز نہیں۔ نہ اسے اپنی کچھ خبر ہے نہ اپنے قلب کی اور اَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ[2] بھی اس مقام پر نہیں ہے اور جب صحو (غفلت سے ہوش میں آنے)، انس اور اللہ کی طرف رجوع کی حالت ظاہر ہوگئی تو پھر استعاذہ کی ایک اور حقیقت وہ گی، لیکن ویسی نہیں جیسی سالک کے استعاذہ کی ہوتی ہے اور اسی لئے حضرت رسول ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی استعاذہ کا حکم ہوا ہے۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے:

---

[1] سورۂ انعام، آیت ۱۱۲

[2] الکافی (ط-الاسلامیۃ)/ ج 3/ 469/ باب صلاۃ فاطمۃ ع وغیرہا من صلاۃ الترغیب..... ص: 468

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ [1]

(اے رسولؐ) تم کہہ دو کہ میں صبح کے مالک کی۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ [2]

(اے رسولؐ) تم کہو کہ میں پناہ مانگتا ہوں لوگوں کے پروردگار کی۔

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۝ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۝. [3]

اور (وہ بھی) دُعا کرو کہ اے میرے پالنے والے میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔اور اے میرے پروردگار اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ شیاطین میرے پاس آئیں۔

اس طرح انسان دو مقام میں مستعیذ نہیں ہے۔ایک سلوک سے پہلے جو حجاب ہی حجاب ہے اور اس پر شیطان کا تصرف و تسلط قائم ہے۔اور دوسرا سلوک کے تمام ہونے کے بعد جہاں فنائے مطلق حاصل ہوتی ہے اور وہاں پہنچ کر انسان مستعیذ، مستعاذ منہ، مستعاذ لہ اور استعاذہ سب سے بے خبر ہو جاتا ہے اور دوسرے مقام میں مستعیذ ہے۔ایک سلوک الی اللہ کے حال میں جہاں راہ وصول کے ان کانٹوں سے استعاذہ کرتا ہے جو انسانیت کے صراط مستقیم پر بیٹھے ہوئے ہیں۔جیسا کہ خداوند عالم شیطان کے قول کی حکایت کرتا ہے:

فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ. [4]

اور دوسرے فنائے مطلق سے خودی میں آنے اور اس سے واپسی کے حال میں جہاں حجابات تلوینیہ اور دوسرے حجابات سے استعاذہ کرتا ہے۔

دوسرا رکن؛ مستعاذ منہ:

دوسرے رکن میں ہے اور وہ ابلیس لعین اور شیطان رجیم ہے جو طرح طرح کے جال پھیلا کر انسان کو

---

[1] سورۃ الفلق:۱

[2] سورۃ الناس:۱

[3] سورہ مومنون، آیات ۹۷، ۹۸

[4] سورۂ اعراف:۱۶

پھانستا ہے اور مقصد تک پہنچنے اور مقصود کو حاصل کرنے سے روکتا ہے۔ اور بعض اکابر اہل معرفت نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ حقیقت شیطان (جمیع عالم بہ جنبہ سوائیہ (استثناء کے رخ کے ساتھ) ہے۔ یہ تعریف راقم الحروف کے نزدیک مکمل نہیں ہے، کیوں جنبہ سوائی ایک موہوم اور حقیقت سے عاری اور تحقق و واقعیت سے خالی تصور ہے۔ ابلیس کا ایک جال ہے جو انسان کو اسی میں مشغول رکھتا ہے اور شاید اسی مفہوم کی طرف خدا تعالیٰ کے اس ارشاد میں اشارہ ہے:

اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۝١ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝٢ [1]

تمہیں زیادہ مال کی طلب نے غافل کر دیا ہے، قبرستان پہنچنے کے وقت تک۔

ورنہ خود ابلیس ایک حقیقت کا نام ہے جو تجرد مثالی رکھتی ہے، اس کی مثال نہیں دی جا سکتی ہے، اور ابلیسیت کی حقیقت کلیہ جو رئیس الابلیس یعنی ابلیسوں کا ابلیس، ہے وہم ابلیس الکل ہے جس طرح عقل مجرد کی حقیقت کلیہ جو آدم اول ہے، عقل الکل ہے۔ جزئی اور ملکی واہمے اسی ''وھم الکل'' کے شئون و مظاہر اور افراد ہیں جیسے جزئی عقلیں عقل کلی کے شئون و مظاہر اور افراد ہیں۔ اس مقام کی تفصیل و تحقق اس رسالہ کے حوصلہ سے باہر ہے۔

وبالجملہ، جو کچھ اس سلوک الٰہی اور سیر الی اللہ میں سیر سے مانع ہے وہ شیطان یا اس کے مظاہر ہیں کہ ان کے اعمال بھی اعمال شیطانی ہیں اور عوالم غیب و شہود، نفس میں پیدا ہونے والے عوارض اور اس کے مختلف حالات میں سے جو بھی کچھ روئے جاناں کے لئے حجاب بنتا ہے، چاہے عوالم ملکیہ دنیاویہ سے ہوں جیسے فقر، غنا، صحت، مرض، قدرت، عجز، علم، جہل اور آفات وعیوب وغیرہ یا عوالم غیبیہ مجردیہ ومثالیہ سے ہوں جیسے بہشت، جہنم، ان کے بارے میں علم، یہاں تک کہ علوم عقلیہ جو برہان سے حاصل ہوتے ہیں اور جو توحید وتقدس حق کی طرف پلٹتے ہیں، وہ سب کے سب ابلیسی جال ہیں جو انسان کو حق اور حق کے ساتھ انس وخلوت سے روکتے ہیں اور انہیں عوالم دنیا اور عوالم غیبیہ میں سرگرم کر دیتے ہیں، یہاں تک کہ مقامات معنوی میں سرگرمی اور مدارج روحانی میں ٹھہرا رہنا جو بظاہر صراط انسانیت میں ٹھہرنا اور درحقیقت صراط حق میں آگے بڑھنے کے بجائے، ٹھہرا رہنا ہے جو فراق و بعد کے جہنم پر قائم ایک روحانی پل ہے اور جنت لقاء پر جا کے منتہی ہوتا ہے اور یہ پل اہل معرفت اور اصحاب قلوب کے ایک مختصر گروہ کے لئے مخصوص ہے۔ ابلیس الابالیسہ کے بڑے جالوں میں سے ایک جال ہے جس سے ذات مقدس حق کی پناہ لینا چاہئے۔

اور بالجملہ جو کچھ تمہیں راہ حق پر ملنے سے روکے اور جمال جمیل محبوب سے محجوب کرے وہی تمہارا شیطان ہے، چاہے وہ انسان کی شکل میں ہو یا جن ہو اور جو چیزیں اس وسیلہ سے تمہیں مقصد اور مقصود تک پہنچنے سے روکیں وہ

---

[1] سورۂ تکاثر، آیت ۱، ۲

شیطانی جال ہیں چاہے اصل مقامات و مدارج ہوں یا علوم وکمالات یا صنعتیں اورحرفتیں یا عیش و راحت یا رنج و ذلت یا ان کے علاوہ کچھ اور۔ یہی وہ دنیا ہے جس کی مذمت کی گئی ہے۔ دوسرے لفظوں میں غیرحق سے دل کا علاقہ اس کی دنیا ہے اور یہ قابل مذمت ہے اور شیطان کا جال ہے اوراس سے استعاذہ کرنا چاہئے اوروہ جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ فرماتے ہیں:

اَعُوذُ بِنُورِ وَجهِ اللّٰهِ وَ كَلِمَاتِهِ التَّامَّاتِ الَّتِي لَا يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَ لَا فَاجِرٌ مِن شَرِّ مَا ذَرَاَ فِي الْاَرْضِ وَ ما يَخْرُجُ مِنْها وَمِنْ شَرِّ ما يَنْزِلُ مِنَ السَّماءِ وَ ما يَعْرُجُ فِيها وَ مِنْ شَرِّ فِتَنِ اللَّيْلِ وَ النَّهارِ وَ مِنْ شَرِّ طَوارِقِ اللَّيْلِ وَ النَّهارِ اِلَّا طارِقاً يَطْرُقُ بِخَيْرٍ. [1]

اس سے شاید یہی معنی مراد ہیں۔

واللہ اور کلمات اللہ سے استعاذہ بحر جمال وجلال میں مستغرق ہونا ہے اور جو بھی کچھ انسان کو اس سے روکے وہ شر ہے اوراس کا رابطہ عالم شیطان اوراس کی فریب کاریوں سے ہے اوراس سے وجہ اللہ کی پناہ مانگنا چاہئے۔ چاہئے وہ آسمانی حقائق کاملہ میں سے ہو یا زمینی حقائق ناقصہ میں سے۔ مگر یہ کہ طارق خیر نیکی کے ساتھ رات میں وارد ہونے والا ہو، کیونکہ وطارق الٰہی ہے جو خیر مطلق یعنی حق تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہے۔

استعاذہ کا تیسرا رکن مستعاذ بہ:

معلوم رہے کہ چونکہ استعاذہ کی حقیقت سالک الی اللہ میں متحقق اور سیر وسلوک الی اللہ میں حاصل ہوتی ہے، یعنی استعاذہ مراتب سلوک میں سالک کے ساتھ مختص ہے۔لہٰذا ارباب سیر کے مراتب و مقامات اوراہل سلوک کے مدارج ومنازل کے مطابق حقیقت (استعاذہ، ومستعیذ، مستعاذ منہ، مستعاذ بہ، فرق ہو جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ سورۂ ناس میں اسی فرق کی طرف اشارہ ہو جس میں ارشاد ہے:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴿۱﴾ مَلِكِ النَّاسِ ﴿۲﴾ اِلٰهِ النَّاسِ ﴿۳﴾

(اے رسولؐ) تم کہو کہ میں پناہ مانگتا ہوں لوگوں کے پروردگار۔

---

[1] بحارالانوار، ج ۹۱، ص ۲۱۵

مبادی سلوک سے لے کر مقام قلب تک سالک مقام ربوبیت کی پناہ چاہتا ہے اور ممکن ہے کہ یہاں ربوبیت سے ربوبیت فعلی مراد ہو جو (اعوذ بکلمات اللہ التامات) کے مطابق ہو جائے اور جب سالک کی سیر مقام قلب تک پہنچ جاتی ہے تو قلب میں مقام سلطنت الٰہیہ کا ظہور ہوتا ہے اور اس مقام پر ابلیس کے قلبی تصرفات اور اس کی ظالمانہ باطنی سلطنت کے شر سے مقام ملک الناس کی پناہ مانگتا ہے۔ جیسا کہ مقام اول میں اس کے صدری تصرفات کے شر سے پناہ مانگتا ہے اور شاید یہ جو فرمایا ہے:

الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝

جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کرتا ہے۔

حالانکہ وسوسہ قلوب وارواح میں بھی پیدا ہو تو خناس ہے، شاید اس لئے ہو کہ مقام تعریف میں مناسب یہ ہوتا ہے کہ شان عمومی کے ساتھ اور ایسی صفت کے ساتھ تعریف کی جائے جو سب پر ظاہر ہو اور جب سالک مقام قلب سے آگے بڑھ کے مقام روح تک پہنچ گیا جو ایک نفحہ الٰہیہ ہے اور اس کا اتصال حق تعالیٰ سے شعاع آفتاب کے آفتاب کے ساتھ اتصال سے بھی زیادہ ہے اور اس مقام میں حیرت، وقار، جذبہ، عشق اور شوق کے مبادیات شروع ہوتے ہیں اور اسی مقام الہ الناس کی پناہ مانگتا ہے اور جب اس مقام سے بھی بلند ہو جاتا ہے اور وہ ذات نصب العین ہو جاتی ہے۔ جس کی شان کا عکس کوئی آئینہ نہیں اٹھا سکتا۔ دوسرے لفظوں میں مقام حقیقت تک پہنچ جاتا ہے تو اَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ [1] کی حقیقت اس کے مناسب ہے۔ ان مقامات میں ایک تفصیل ہے جو اس مقالہ سے مناسبت نہیں رکھتی اس لئے اسے ترک کیا جاتا ہے۔

اور معلوم رہے کہ اسم (اللہ) کے ذریعہ استعاذہ اپنی جامعیت کے لحاظ سے تمام مقامات سے مناسبت رکھتا ہے اور یہی اصل میں استعاذہ مطلقہ ہے جبکہ دوسرے استعاذے مقید ہیں۔

استعاذہ کا چوتھا رکن مستعاذہ لہ:

یعنی استعاذہ کی غرض و غایت معلوم رہے کہ انسان مستعیذ کے لئے جو کچھ بالذات مطلوب ہے وہ دراصل کمال و سعادت اور خیر ہے اور یہ مراتب ومقامات اہل سلوک کے لحاظ سے بہت تفاوت رکھتا ہے۔ چنانچہ سالک جب تک بیت نفس اور حجاب مادیت میں ہے اس وقت تک اس کی سیر کی غرض و غایت نفسانی کمالات اور مادی ادنیٰ سعادتوں

---

[1] الکافی (ط-الاسلامیۃ)/ ج 3/469/باب صلاۃ فاطمۃ ع وغیرھا من صلاۃ الترغیب..... ص: 468

کا حصول ہے اور یہ سلوک کے مبادیات میں سے ہے اور جب بیت نفس سے باہر آجاتا ہے اور مقامات روحانیہ وکمالات تجردی (غیر مادی) سے ذوق پیدا کر لیتا ہے تو اس کا مقصد زیادہ بلند اور اس کا مقصود زیادہ کامل ہو جاتا ہے اور مقامات نفسانیہ کو ٹھوکر لگاتا ہے اور اس کا قبلہ مقصود کمالات قلبیہ اور سعادات باطنیہ کا حصول ہو جاتا ہے اور جب اس منزل سے بھی آگے بڑھ گیا اور سیر روحی کی منزل تک پہنچ گیا تو اس باطن میں تجلیات الٰہیہ کے مبادیات ظاہر ہوتے ہیں اور اس کے باطن کی زبان پہلی مرتبہ: (وجہت وجہی لوجہ اللہ) اور اس کے بعد (وجہت وجہی لاسماء اللہ،او،للہ) اور اس کے بعد (وجہت وجہی لہ) ہو جاتی ہے اور شاید ''وَجَّہۡتُ وَجۡہِیَ لِلَّذِیۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ''[1] فاطریت سے مناسبت کی وجہ سے مقام اول سے متعلق ہو۔

بالجملہ سالک کی حقیقی غرض و غایت ہر مقام میں بالذات حصول کمال و سعادت ہے اور چونکہ سعادت و کمال کے ساتھ ہر مقام ایک شیطان اور اس کے جالوں میں سے کوئی نہ کوئی جال حصول کمال و سعادت سے روکنے کے لئے موجود ہے اس لئے سالک کا اللہ کی پناہ مانگنا ناگزیر ہے اس شیطان اور اس کی طرح طرح کے شر اور جالوں سے تاکہ مقصود اصلی اور منظور ذاتی حاصل ہو۔ پس درحقیقت سالک کے لئے استعاذہ کی غرض و غایت اسی متوقع کمال اور اسی مطلوبہ سعادت کا حاصل کرنا ہے اور تمام غایتوں کی غایت اور آرزوؤں کا منتہی حق تعالیٰ جلت عظمتہ، کی ذات ہے۔ اس مقام میں یا اس کے بعد حق تعالیٰ کے علاوہ ہر شے محو ہو جاتی ہے اور بالتبع اور خودی و ہوش میں شیطان سے استعاذہ وجود میں آتا ہے۔

وَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ اَوَّلًا وَّ اٰخِرًا

[1] سورۂ انعام:۷۹

فصل چہارم

تسمیہ کے کچھ آداب

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ إِسْحَاقَ الطَّالَقَانِيُّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سَعِيدٍ مَوْلَى بَنِي هَاشِمٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ فَضَّالٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَأَلْتُ الرِّضَا عَلِيَّ بْنَ مُوسَى عليہ السلام عَنْ بِسْمِ اللَّهِ قَالَ مَعْنَى قَوْلِ الْقَائِلِ بِسْمِ اللَّهِ أَيْ أَسِمُ عَلَى نَفْسِي سِمَةً مِنْ سِمَاتِ اللَّهِ عَزَّ وَ جَلَّ وَ هِيَ الْعِبَادَةُ قَالَ فَقُلْتُ لَهُ مَا السِّمَةُ فَقَالَ الْعَلَامَةُ.[1]

حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ جب آپ ؑ سے بسم اللہ کی تفسیر دریافت کی گئی تو آپ ؑ نے فرمایا: کہنے والے کے ''بسم اللہ'' کہنے سے یہ مراد ہے کہ میں اپنے اوپر اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی لگا رہا ہوں اور وہ نشانی عبادت ہے۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے پوچھا: سمہ کیا ہے؟

فرمایا: نشان ہے۔

معلوم رہے کہ ''جلعك الله وياناً من المتسمين بسمات الله'' خدا تمہیں اور ہمیں اللہ کی علامتوں سے اپنی پہچان بنانے والوں میں قرار دے کہ سالک کے لئے منزل ''تسمیہ'' میں داخل ہونا آسان نہیں ہے جب تک کہ

---

[1] التوحید، ص ۲۲۹، باب ۳۱، حدیث ۱، معانی الاخبار، ۳

منزل استعاذہ میں داخل نہ ہوجائے اوراس منزل کے حقوق ادا نہ کردے جب تک انسان شیطان کے تصرف میں ہے اوراس کے زیر سلطنت جبر وقہر سے دوچار ہے اس وقت تک شیطانی علامتیں اس کی پہچان ہیں اور اگر شیطان نے اس کے ظاہر و باطن پر مکمل طور سے غلبہ کرلیا تو انسان خود شیطان کی آیت وعلامت بن جائے گا اوراس عالم میں اگر تسمیہ کہے گا تو شیطانی ارادہ وقوت اور زبان سے کہے گا اوراس استعاذہ اور تسمیہ سے شیطانی سلطنت کے مزید استحکام کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا اور اگر توفیق الٰہی شامل حال ہوگئی اور خواب غفلت سے بیدار ہوگیا اور بیداری کی حالت میں سیر وسلوک کے لازم ہونے کو فطرت الٰہیہ کے نور اور تعلیمات قرآنیہ اور ہادیان دین کی سیرت وسنت کی روشنی میں توحید تک پہنچنے کا راستہ سمجھ لیا اور موانع سیر کو قلب نے دریافت کرلیا تو رفتہ رفتہ حال استعاذہ حاصل ہوجائے گا اوراس کے بعد توفیق ربانی سے منزل استعاذہ میں وارد ہوجائے گا اور جب شیطانی آلودگیوں سے پاک ہوگیا تو باطن وظاہر کی پاکیزگی کے مطابق اس سے انوار الٰہیہ، بہ حسب تناسب، آئینہ سالک میں جلوہ گر ہوں گے اور اول امر میں ان انوار میں ظلمت کا شائبہ ہوگا، بلکہ ظلمت ہی غالب ہوگی۔

خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا ۭ [1]

انہوں نے نیک اور بد عمل خلط ملط کردیے ہیں۔

اور آہستہ آہستہ جتنا جتنا سلوک قوی ہوتا جائے گا نور بڑھتا جائے گا اور ظلمت پر غالب آتا جائے گا اور سمات ربوبیت (آیات الٰہی) سالک میں پیدا ہوجائیں گی اور پھر اس کا تسمیہ ایک حد تک حقیقت پیدا کرلے گا اور رفتہ رفتہ شیطانی علامتیں جو ظاہر میں مدینہ فاضلہ کے نظام کی مخالفت، باطن میں خود پسندی واستکباری اور ایسے ہی صفات رذیلہ ہیں اور باطن باطن میں خود بینی وخود خواہی اور ایسے ہی اخلاق ذمیمہ ہیں، سالک کی مملکت ظاہر و باطن سے نکل بھاگیں گے اور ان کی جگہ سمات اللہ، جو ظاہر میں مدینہ فاضلہ کے نظام کی حفاظت باطن میں عبودیت و ذلت نفس اور باطن باطن میں خداخواہی و خدا بینی ہیں، جاگزیں ہوجائیں گے اور جب مملکت، ملک الٰہی ہوگئی اور شیاطین جن وانس سے خالی ہوگئی اوراس میں سمات الٰہیہ پیدا ہوگئیں تو خود سالک ہی کے لئے مقام اسمیت متحقق ہوجائے گا۔

پس ابتدا میں سالک کے تسمیہ کے معنی ''سمات وعلامات الٰہیہ سے متصف ہونا'' ہیں۔ اس کے بعد یہ مرتبہ ترقی کرتا ہے اور خود سالک مقام اسمیت پر پہنچ جاتا ہے۔ یہ قرب نافلہ کے اوائل ہیں اور جب قرب نافلہ میں متحقق ہوگیا تو تمام اسمیت کو پاگیا۔ اب اس کے بعد عبد اور عبودیت میں سے کچھ باقی نہ رہا اور اگر کوئی اس مقام تک پہنچ جائے تو

---

[1] نیک عمل کو برے عمل میں ملا دیا، (سورہ توبہ، آیت ۱۰۲)

اس کی ساری نماز لسان اللہ کے ذریعے ادا ہوگی اور یہ شخص کچھ کچھ اولیاء میں شامل ہوجائے گا۔

درمیانی مرتبہ کے لوگوں اور ہم جیسے ناقص لوگوں کے لئے ادب یہ ہے کہ عبودیت کا نشان (تسمیہ) کے وقت اپنے دل پر لگائیں۔۔۔۔اور قلب کو سمات اللہ اور آیات وعلامات الٰہیہ سے باخبر کریں اور محض زبان کی ادائیگی کو کافی نہ سمجھیں۔ممکن ہے کہ تھوڑی بہت عنایات ازلیہ ہمارے شامل ہوں اور تلافی مافات ہوجائے اور اسماء سیکھنے کی راہ ہمارے قلب پر کھل جائے اور مقصود کو پالینے کا راستہ مل جائے۔

ہوسکتا ہے کہ اس حدیث شریف میں (سمۃ من سمات اللہ) اللہ کے نشانوں میں سے کوئی نشان) سے مراد رحمت (رحمانیہ) اور رحمت (رحیمیہ) کی علامت ہو اور چونکہ یہ دونوں نام اسمائے محیط میں سے ہیں کہ یہ تمام دار تحقق و وجود انہیں دونوں ناموں کے زیر سایہ اپنے اصل و وجود و کمال کو پہنچا ہے اور پہنچتا ہے اور رحمت رحمانیہ ورحیمیہ تمام دار وجود کو شامل ہے۔ یہاں تک رحمت رحیمیہ بھی جس کے جلوؤں میں یا دیان طریق توحید کی تمام ہدایت شامل ہے۔سب کو شامل ہے، مگر یہ کہ فطرت مستقیم خارج لوگ اپنے غلط اختیار وانتخاب کی وجہ سے اس سے محروم ہیں۔ یہ بات نہیں کہ یہ رحمت ان کے شامل حال ہی نہ ہو یہاں تک کہ عالم آخرت میں بھی جو عمل کی اچھی بری فصل کاٹنے کا دن ہے، جنہوں نے برے عمل کی کاشت کی وہ خود ہی قاصر وخطاوار ہیں کہ رحمت رحیمیہ سے استفادہ نہیں کیا۔

بالجملہ، جو سالک چاہتا ہے کہ اس کا تسمیہ حقیقت پیدا کرے اس کو چاہئے کہ اللہ کی رحمتوں کو اپنے قلب تک پہنچائے اور رحمت رحمانیہ ورحیمیہ کے ساتھ متحقق ہوجائے۔قلب میں اس کو کوئی نمود حاصل ہوجانے کی علامت یہ ہے کہ بندگان خدا پر لطف وعنایت سے نظر کرے اور سب کے لئے خیر وصلاح کا خواہشمند ہو۔ یہ نظر انبیائے کرام اور اولیائے کاملین علیہم السلام کی ہوتی ہے۔منتہیٰ یہ کہ ان کی دو نظریں ہوتی ہیں۔ایک سماج اور خاندان اور مدینہ فاضلہ کی سعادت پر نظر، اور دوسری فرد کی سعادت پر نظر۔ان دونوں سعادتوں سے انہیں کامل طور پر تعلق خاطر ہوتا ہے جو قوانین الٰہیہ ان کے ہاتھوں بنتے، نافذ ہوتے اور جاری ہوتے ہیں،ان میں ان دونوں سعادتوں کی پوری مراعات محفوظ رکھتے ہیں یہاں تک کہ قصاص اور حدود وتعزیرات وغیرہ کے اجراء میں بھی نظر آتا ہے کہ نظام مدینہ فاضلہ کے لحاظ سے قوانین بنائے گئے ہیں۔دونوں سعادتیں پیش نظر ہیں، کیونکہ یہ امور روح کی تربیت اور اسے سعادت تک پہنچانے میں پوری طرح دخیل ہیں یہاں تک کہ جو لوگ ایمان وسعادت کی روشنی ہی نہیں رکھتے اور جہاد میں یا اسی قسم کے کسی اور سبب سے قتل کئے جاتے ہیں، جیسے بنی قریظہ کے یہودی، خود ان کے لئے بھی یہ قتل صلاح واصلاح کا سبب ہوتا ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ نبی ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت کاملہ سے ان کا قتل واقع ہوا۔کیونکہ اس دنیا میں رہ کر اپنے لئے روزانہ طرح طرح کے عذاب جمع کئے جاتے تھے کہ یہاں تک کہ ساری زندگی وہاں کے ایک دن کے عذابوں اور سختیوں کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ یہ

بات ان لوگوں کے لئے جو آخرت کے عذاب وعقاب اور وہاں کے اسباب ومسببات کو جانتے ہیں، اچھی طرح واضح ہے۔ لہٰذا وہ تلوار جو بنی قریظہ کے یہودیوں اور ان جیسوں کی گردن پر چلی وہ افق غیظ وغضب کی بہ نسبت افق رحمت سے زیادہ نزدیک تھی اور ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا باب بھی رحمت رحیمیہ ہی کا ایک رخ ہے۔ لہٰذا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ اپنے قلب کو تھوڑی رحمت رحیمیہ کا ذائقہ چکھائے اور امر و نہی میں اس کی نظر خود نمائی، خود فروشی اور اپنے امر و نہی کو لوگوں پر تھوپنا نہ ہو۔ کیونکہ اگر اس طرح چلے گا تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مقصد یعنی بندوں کے لئے سعادت کا حصول اور احکام الٰہی کا ملک میں اجراء نہ ہو سکے گا۔ بلکہ کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اس طرح کے امر بالمعروف سے جاہل انسان پر الٹا اثر ہو اور ایک جاہلانہ امر و نہی کی وجہ سے اس قدر سرکش ومنحرف ہو جائے جو خواہش نفسانی اور تصرف شیطانی کے زیر اثر واقع ہوئی ہو۔ لیکن اگر رحمت وشفقت کے احساس اور حق نوع بشری واخوت انسانی کو جاہلوں کی ہدایت اور غافلوں کو بیدار کرنے کے لئے کام میں لایا جائے تو بیان وارشاد کی کیفیت جو ایک قلب رحیمانہ کی پھوار ہے، ایسی ہو جائے گی کہ قہری طور پر قبولیت کی صلاحیت رکھنے والوں پر اس کا مثبت اثر ہوگا اور سخت دلوں کا استکبار وغرور بھی اس سے دب جائے گا۔ افسوس یہ ہے کہ قرآن سے کچھ نہیں سیکھتے اور اللہ کی اس کتاب کریم پر تدبر وتحصیل کی نظر نہیں ڈالتے اور ہمارا استفادہ اس ذکر حکیم سے نہ ہونے کے برابر ہے۔ اب دیکھئے کہ آیہ شریفہ: اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۴۳﴾ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿۴۴﴾ [1] میں تفکر انسان کے دل پر معرفت کی راہیں اور امید ورجاء کے دروازے کس طرح کھول دیتا ہے۔

فرعون، جس کی سرکشی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى [2] کہنے لگا اور اس کا تکبر اور فساد اس قدر بڑھ گیا تھا کہ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ [3] اس کے بارے میں نازل ہوا ہے اور محض ایک خواب دیکھنے کی وجہ سے اور کاہنوں اور جادوگروں کے خبر دینے کی وجہ سے کہ موسیٰ بن عمران پیدا ہونے والے ہیں۔ عورتوں کو مردوں سے الگ کر دیا اور بے گناہ بچوں کو ذبح کر دیا اور تمام فساد پھیلایا۔ خداوند رحمٰن نے اپنی رحمت رحیمیہ سے ساری زمین پر نظر ڈالی اور نوع بشر میں سب سے زیادہ خاکسار اور سب سے زیادہ باکمال یعنی حضرت موسیٰ بن عمران علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ

[1] فرعون کی طرف جاؤ، کیونکہ اس نے سرکشی کی ہے اور اس سے نرمی سے بات کرنا شاید تذکر حاصل کرے یا ڈرے۔ (سورۂ طٰہٰ، آیات، ۴۳، ۴۴)

[2] میں تمہارا بڑا پروردگار ہوں، (سورہ نازعات، آیت ۲۴)

[3] ان کے لڑکوں کو قتل کر دیتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا، (سورۂ قصص، آیت ۴)

السلام جیسے نبی عظیم الشان اور رسول عالی مقام و صاحب کرامت کا انتخاب کیا اور اپنے دست تربیت پر انہیں تعلیم و تربیت دی۔ چنانچہ فرماتا ہے:

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۴

[۱]

ان کی پیٹھ کو ان کے ہارون علیہ السلام جیسے عالی مرتبت بھائی سے مضبوط کیا اور ان دونوں بزرگواروں کو جو عالم انسانیت کے گل سر سبد تھے، خدائے تعالیٰ نے منتخب کیا۔ چنانچہ فرماتا ہے:

وَاَنَا اخْتَرْتُكَ [۲]

اور فرماتا ہے:

وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِىْ. [۳]

اور فرماتا ہے:

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِىْ ۝۴۱ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِىْ وَلَا تَنِيَا فِىْ ذِكْرِىْ ۝۴۲ [۴]

ان کے علاوہ اور دوسری آیتیں ہیں جو حوصلہ بیان سے باہر ہیں اور قلب عارف کو ان سے کیا کچھ نصیب ہوتا ہے، بتایا نہیں جا سکتا۔ خاص طور پر سے ان دو عظیم لفظوں سے "وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِىْ" اور "وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِىْ"۔ آپ بھی اگر دل کی آنکھیں کھولیں تو ایک ایسا لطیف روحانی نغمہ سنائی دے گا جس سے آپ کے گوش ہائے دل اور سراسر وجود سر توحید سے معمور ہو جائیں گے۔

بالجملہ تمام عزت افزائیوں کے ساتھ خدائے تعالیٰ نے یہ اہتمام کیا اور اپنے کلیم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو روحانی ورزشوں میں مشغول کر دیا۔ چنانچہ فرماتا ہے:

---

[۱] جب جوانی کے سن کو پہنچے اور طاقتور ہو گئے تو ہم نے ان کو حکم اور علم عطا کیا اور ہم نیکوکاروں کو یوں ہی جزا دیتے ہیں، (سورۂ قصص، آیت ۱۴)

[۲] میں نے تمہیں منتخب کیا، (سورۂ طٰہ، آیت ۱۳)

[۳] اور تا کہ میری نظروں کے سامنے تمہاری تربیت ہو، (سورہ طٰہ: ۳۹)

[۴] میں نے تم کو اپنے لئے بنایا۔ تم اور تمہارے بھائی میری نشانیوں کے ساتھ جاؤ اور مجھے یاد کرنے میں سستی نہ کرو، (سورۂ طٰہ، آیت ۴۱، ۴۲)

وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا.[1]

اور برسوں کے لئے بوڑھے حضرت شعیبؑ مربی راہ ہدایات،شائستہ عالم انسانیت کی خدمت میں ان کو بھیجا۔

چنانچہ فرماتا ہے:

فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۙ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰي قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ۝ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ۝[2]

اس کے بعد ان کو آزمانے اور بالاتری کا ہنر سیکھنے کے لئے شام کی راہ کے بیابان میں بھیج دیا۔ وہ راستہ بھول گئے اور بارش بھی آ گئی۔تاریکی نے ان کو گھیر لیا اور انکی بیوی کو دریوزہ عارض ہوا اور جب مادیت کے تمام دروازے ان پر بند ہو گئے اوران کا قلب شریف کثرات سے تنگ آ گیا اوریسف جبلت اور شفاف فطرت سے وہ سب سے قطع تعلق کر کےحق تعالٰی کے ہو رہے اورالٰہی روحانی سفراس تاریک اور بے کراں بیابان میں تمام ہوا۔

اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝[3]

تو (اندھیری رات جاڑوں کے دن راہ بھول گئے اور بیوی صفورا کو دردِزہ شروع ہوا اتنے میں) کوہ طور کی طرف سے آگ دکھائی دی تو اپنے لڑکے بالوں سے کہا تم لوگ ٹھہرو میں نے یقیناً آگ دیکھی ہے (میں وہاں جاتا ہوں) کیا عجب ہے میں وہاں سے (رستہ کی) کچھ خبر لاؤں یا آگ کی کوئی چنگاری (لیتا آؤں) تا کہ تم لوگ تاپو۔غرض جب موسیٰؑ آگ کے پاس آئے تو میدان کے داہنے کنارے سے اس مبارک جگہ میں ایک درخت سے اُنہیں آواز آئی کہ اے موسیٰؑ اس میں شک نہیں کہ میں ہی اللہ سارے جہان کا پالنے والا ہوں۔

ان تمام امتحانات اورروحانی تربیت کے بعد کس کام کے لئے اللہ نے انہیں تیار کیا؟ دعوت و ہدایت و ارشاد اورایک سرکش ومنحرف کونجات دلانے کے لئے جو''اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی'' کا نقارہ بجا لا رہا تھا اور وہ سب فساد زمین میں پھیلا رہا تھا۔ممکن تھا کہ خدا اسے اپنے غضب کی بجلی گرا کر خاکستر کر دیتا،لیکن رحمت رحیمیہ نے اس کے لئے دو عظیم پیغمبر بھیجے

[1] ہم نے تمہاری سخت آزمائش کی،(سورہ طٰہٰ:۴۰)

[2] برسوں تم مدائن والوں کے درمیان رہے پھر معین مدت کے بعد واپس آئے اے موسیٰؑ،(سورہ طٰہٰ،آیت ۴۰،۴۱)

[3] سورۂ قصص،آیت ۲۹،۳۰

اوراس حالت میں ان دونوں سے اس کی سفارش بھی فرماتا ہے کہ اس سے ذرا ملائم لہجہ میں گفتگو کرنا۔ ہوسکتا ہے خدا کو یاد کرنے لگے اوراپنے کرتوتوں اوران کے انجام سے ڈرے۔ یہ ہے امرونہی کا قانون! یہ فرعون جیسے طاغوت کو ہدایت کرنے کا طریقہ ہے۔

اب اگر آپ بھی امر بالمعروف اورنہی عن المنکر کرنا اورخلق خدا کی ہدایت کرنا چاہتے ہیں توان آیات شریفہ الٰہیہ سے جوتذکر وتعلم کے لئے نازل کی گئی ہیں،تذکر حاصل کریں اورسیکھیں۔ محبت سے بھرے قلب اورمہربان دل کے ساتھ بندگان خدا سے ملاقات کریں اوردل کی گہرائی سے ان کی خیر خواہی کریں اورجب اپنے دل کو رحمانی اوررحیمی پائیں تب امرونہی کے لئے اٹھ کھڑے ہوں تاکہ سخت دلوں کوآپ کے عاطفہ قلب کی برق نرم کردے اوردلوں کا لوہا موعظت ونصیحت سے مخلوط ہوکر آپ کی محبت کی گرمی سے پگھل جائے۔

یہ وادی، وادی بغض فی اللہ اورحب فی اللہ کے علاوہ ہے کہ انسان کو چاہئے کہ خدا کے دشمنوں کو دشمن رکھے اورخدا کے دوستوں سے دوستی رکھے جیسا کہ قرآن کریم اورروایات شریفہ میں وارد ہے اوروہ اپنی جگہ پر صحیح ہے اور یہ اپنی جگہ پر صحیح ہے اوراب اس کے بیان کا موقع نہیں ہے۔